جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

ہزارہا شعرائے اردو کے اشعار کا مجموعہ

تکملہ تذکرہ حصہ دوم

یعنی تذکرہ معروف بہ

خمخانۂ جاوید

جلد دوم

جو لالہ سری رام ایم - اے مصنف دہلوی خلف الصدق عالیجناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر ایٹ لا رئیس دہلی و لاہور کی لگاتار ۱۰ برس کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے

سنہ ۱۹۱۱ء

رامی گلاب سنگھ پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا

دفتر امپیریل بک ڈپو پریس دہلی سے باہتمام لالہ جھولا ناتھ کے شائع کیا

بار اول ۱۲۰۰ جلد قیمت فی جلد مجلد کاغذ بہتر اول للعہ کاغذ ... بلا محصول

معروف بہ

تحفۂ جاوید

جلد دوم

مولفہ [illegible] ایم۔اے منصف دہلوی خلف الصدق
عالیجناب آنریبل رائے بہادر [illegible] گیلاشی

سنہ ۱۹۱۱ع

[illegible] پریس دہلی میں باہتمام لالہ چمن لال چھپا

بحضورِ اقدس اعلیحضرت قدر قدرت بندگانِ عالی متعالی مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر محبوب علیخان بہادر

فتح جنگ آصفجاہ سادس جی سی ایس آئی جی سی بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ہندوستان میں زبانِ اردو کی تصنیف یا تالیف کیلئے اس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہوسکتی

کہ شاہ دکن اعلیحضرت میر محبوب علیخان جی سی ایس آئی ۔ جی سی بی اپنے نام پر اسکا ڈیڈیکیشن منظور

فرماویں ۔ یہ امتیاز جو آج توجہاتِ شاہانہ سے میری تالیف کو حاصل ہوتا ہے کہ اردو کے سب سے بڑے سرپرست نے

جو علاوہ سر آرائے سلطنت ہونیکے خود اقلیم سخن کا بھی تاجدار ہے ۔ اِس ناچیز نذر کو خلعتِ قبول عطا فرمایا ہے میرے

لیے ہمیشہ سرمایۂ ناز رہیگا ۔ برسوں کی محنت کا صلہ بندگانِ عالی کی اِس ذرہ نوازی سے ملگیا ؎

غبارِ راہ گشتم ۔ سرمہ گشتم توتیا گشتم

بہ چندیں رنگ گشتم تا بہ چشمت آشنا گشتم

میں نہایت ادب کے ساتھ تذکرۂ خمخانۂ جاوید کو حضور کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں

اور امید کرتا ہوں کہ اِس مبارک نام کی بدولت یہ تذکرہ بھی حیاتِ جاوید پائے گا ۔

گزرانیدۂ خادمِ انام سری رام



LALA SIRI RAM, M. A.

Engraved by Mehta Dial Dass Roorkee.

تذکرۂ ہزار داستان

معروف بہ

خمخانۂ جاوید

پابند۔ طالب علی نام، رسالۂ رہنماے تعلیم لاہور کے اڈیٹر ہیں۔ کلام جو اُنھوں نے ارسال کیا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

بہت مشہور کوے عشق میں فرہاد و مجنوں ہیں ۔۔۔ تو اس کوچے میں اُس نے بھی انوکھی شان پیدا کر
نہ خواہش ہمیں جنت میں ہرگز مر کے جانے کی ۔۔۔ اجازت ہو اگر کوچے میں اُس دلبر کے جانیکی
نہ ہرگز وصل کی شب کو اُٹھاؤ زلف تم رُخ سے ۔۔۔ کہ جُوں جوں ہٹتی جاتی ہے سحر کو لاتی جاتی ہے

پادشاہ۔ ابو النصر سلیمان جاہ نصیر الدین حیدر دوئم پادشاہ ملک اودھ۔ شاہ زمن ابو المظفر غازی الدین حیدر بادشاہ اول اودھ کے خلف الرشید اور جانشین تھے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۲۴۳ ہجری مطابق ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو ۲۵ برس کی عمر میں مسند حکومت پر جلوس فرمایا مسند نشینی کی تاریخ یہ ہے

پر تو اسکہ بادشہ فیض رسان عالم	تخت این ممالکت ہند مبارک باشد
سال تاریخ جلوس طرب افزا بشنو	جاودان سلطنت ہند مبارک باشد

اور سبک شکیل اور خوش رو جوان تھے۔ سلطنت ہاتھ آتے ہی لہو و لعب کی طرف مائل ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ جملہ کاروبار ریاست سے غافل ہو گئے۔ نواب معتمد الدولہ آغا میر کو بوجہ پرخاش و خصومت زمانۂ ولی عہدی برخاست کر کے نواب اعتماد الدولہ فضل علیخان دہلوی کو وزیر بنایا۔ تین برس بعد نواب روشن الدولہ کا ستارہ چمکا۔ اور خلعت وزارت عطا ہوا۔ یہ بادشاہ دادودہش میں اپنے زمانے کا حاتم تھا۔ شکار کا بہت شوق تھا۔ اور اکثر فوج کی درستی کی طرف بھی توجہ رہتی تھی۔ مگر تھوڑے عرصے میں خود غرض اور نمک حرام رفقا اور مصاحبین کے بدولت عیش کے بندے ہو گئے۔ انھیں لوگوں نے والدہ مکرمہ نواب بادشاہ محل صاحبہ سے بھی بگاڑ کرا دیا۔ بیگم صاحبہ اپنے پوتے منا جان کو لیکر الماس باغ جا رہیں۔ اسپر بادشاہ نے کوتاہ اندیش مشیروں کے مشورہ سے ایک اشتہار اس مضمون کا تمام قلمرو اودھ میں شائع کرا دیا کہ منا جان میرا بیٹا نہیں ہے۔ حالانکہ ولیعہدی کا خلعت انھیں پیشتر دے چکے تھے۔ حضرت کی شادی ایام ولیعہدی میں صاحب عالم مرزا سلیمان شکوہ برادر اصغر اکبر شاہ ثانی کی دختر سے بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ یہی بیگم سلطان بہو کے خطاب سے مشہور تھیں۔ لیکن بادشاہ کو اس شاہزادی کی طرف کبھی التفات نہیں ہوا۔ اور بے اولاد رہیں۔

محلات تو صدہا تھے۔ مگر ان میں مفصلۂ ذیل قابل ذکر ہیں۔ نواب ملکہ زمانی۔ نواب تاج محل صاحبہ۔ نواب قدسیہ محل۔ ان محلات معلی نے اپنی عالی حوصلگی۔ فراخدلی۔ اور سیر چشمی سے ایک عالم کو گرویدۂ احسان بنا لیا تھا۔ ان کی شان امارت۔ کر و فر اور اخراجات شاہانہ کے واقعی حالات اگر لکھے جائیں تو فسانوں سے زیادہ مزہ آئے۔ نواب ملکہ زمانی کو چھ لاکھ سالانہ کی جاگیر کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ ماہوار جیب خرچ کے لئے ملتا تھا۔ ایسے ہی بیش قرار مواجب دوسری محلات کے تھے۔ نواب قدسیہ محل کا عروج و اقتدار جملہ دیگر محلات سے بڑھ گیا تھا۔ تقدیر کا کرشمہ دیکھو کہ انھیں ایام میں کسی روز ایک معمولی بات پر بادشاہ ان سے ذرا کبیدہ خاطر ہو گئے۔ اور بیگم نے اس رنج میں سفوف الماس

کھاکر خودکشی کرلی - اِس حادثۂ روح فرسا سے تمام لکھنؤ میں حشر برپا ہوگیا - بادشاہ کو انکی وفات سے کمال صدمہ ہوا - اور یہ داغ مدت العمر لوحِ دل سے نہ مٹا - بادشاہ کے حکم سے قدسیہ محل کے غم میں تمام شہر سوگوار رہا - اور عجیب کہرام برپا ہوا -

امام باڑہ ملحق عمارات چھتر منزل لکھنؤ - کربلا گومتی پار و تخت گاہ بنام نہاد بارہ امام محاذی حسین آباد آپ ہی کی عہد سلطنت کی یادگار ہیں - تخت گاہ میں قوم سادات کی دختران کمسن بہ لقب اچھوتی یعنی ازواج ائمہ معصومین تلاش کرکے جمع کیگئیں تھیں جہاں حضرت بادشاہ کی طرف سے اُنکی ہر طرح کی خدمت کیجاتی تھی اور لکھوکھا روپے کے نقد جنس کے علاوہ زیورات مرصع وملبوس فاخرہ انھیں بطور نذر دیے جاتے تھے - صرف یہی نہیں بلکہ کاروبار سلطنت میں اُنکا اور اُنکے اعزا و اقربا کا بڑا دخل تھا - کوئی امر اُنکی مرضی کے خلاف نہونے پاتا تھا - الغرض شاہی اخراجات حدِ اندازہ و قیاس سے افزوں تھے اور اسی طرح سے اسلاف کا خزانہ بالکل خالی ہوگیا -

بادشاہ کے مزاج میں لاأبالی پن اور لہو ولعب کا شوق از حد تھا - تلوّن مزاجی اور غصہ کا یہ عالم تھا کہ وزرا اور ہم جلیسوں کی جان ہتیلی پر رہتی تھی - اراذل کا ہر وقت گرد ہجوم رہتا تھا - انگریزی طرز معاشرت کے دلدادہ تھے - چنانچہ اکثر انگریزی لباس زیب بدن ہوتا تھا حتی کہ ٹوپی بھی انگریزی پہنتے تھے - مے نوشی حدِ اعتدال سے متجاوز ہوکر بلائے جان ہوگئی تھی - رفتہ رفتہ قوائے جسمانی کمزور اور قوت اشتہا زائل ہونے لگی - اسی اثنا میں ۳ ربیع الآخر ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء دھنیا مہری نے جو مقرب خاص و ہمراز تھی طمع دنیوی سے بادشاہ کو زہر دیکر کام تمام کردیا ۳۵ سال کی عمر پائی اور دس برس ۵ روز سلطنت کی - اپنی کربلا میں جو گومتی کے اُس پار بنائی تھی دفن کئے گئے - اور خلد منزل خطاب پایا - اِس قلیل مدت سلطنت میں محاصل ملک کے علاوہ ۲۰ کروڑ روپیہ منجملہ اندوختۂ متروکہ جد امجد نواب سعادت علیخاں مرحوم صرف میں آیا - تاریخ رحلت سے

رفت شاہ جہاں سلیماں جاہ	سوئے جنت ز بارگاہِ اودھ
ہاتفے گفت از سرِ افسوس	بارم رفت بادشاہِ اودھ

آپ کے حقیقی چچا نواب نصیر الدولہ محمد علی شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے۔ اگرچہ حضرت کی والدہ نواب بادشاہ محل صاحبہ نے فریدون بخت مناجان کو تخت نشین کر دیا تھا لیکن چونکہ بادشاہ اُنکی تہنیت سے انکار کر چکے تھے رزیڈنٹ نے اُنہیں تخت سے اتار کر نواب نصیر الدولہ کو اورنگ نشین کر دیا۔ اور بیگم صاحبہ اور مناجان کو بجرم بغاوت چنارگڈھ میں نظر بند کر دیا۔

حاصل کلام یہ کہ طبیعت موزوں رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی اُردو اور فارسی میں بھی شعر گوئی کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ اُن کی اُردو کی یہ غزل بہت مشہور ہے۔ فارسی کے بھی چند اشعار تذکرۂ آفتاب عالمتاب اور روز روشن میں نظر سے گذرے۔

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے　　کہ ساقی لئے ساغرِ مشکبو ہے
سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری　　جدہر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے
جتاؤں میں کیا اپنا حالِ پریشاں　　عیاں زلفِ دلدار سے مو بمو ہے
چلو قبرِ فرہاد پر فاتحہ کو　　مگر آبِ شیریں سے لازم وضو ہے
نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے　　یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے
گلستاں میں جا کر ہر اک گُل کو دیکھا　　نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے
ستایا ہے ناحق ہمیں تُو نے ظالم　　یہ انصاف اللہ کے روبرو ہے
کیا چاک وحشت نے ایسا گریباں　　نہ بخیہ کے قابل نہ جائے رفو ہے
شفق سے نکلے ہوتا ہے گردوں پہ ظاہر　　یہ کس کشتۂ بیگنہ کا لہو ہے
عبث مجھکو ہنس ہنس کے دیتے ہو گالی　　زباں کو سنبھالو یہ کیا گفتگو ہے
اگر آپ سے کے بولا شبِ وصلِ جاناں　　چھُری اور مرغ سحر کا گلو ہے
رہے سایۂ پنجتن بادشاہ پر　　خداوند عالم نگہبان تو ہے

پارسا

پارسا۔ منشی منیض پارسا شیخ احمد سرہندی کی اولاد میں تھے۔ غدر سے ۲۰-۲۵ سال پیشتر دہلی کے مدرسے میں مدرس حساب تھے۔ گاہ گاہ شعر ریختہ بھی کہتے تھے۔ انہیں بزرگ کی تحریک سے

غازی الدین خان کے مدرسے میں جو اجمیری دروازہ کے باہر واقعہ ہے مجلس مشاعرہ کی بنا پڑی مدت تک یہ مشاعرہ نہایت رونق سے جاری رہا مشاہیر شعرائے پایہ تخت مثل شاہ نصیر۔ مومن ذوق۔ آزردہ۔ غالب۔ شیفتہ۔ صہبائی اور اُنکے تلامذہ رشید جمع ہوکر داد سخنوری دیتے تھے۔ شاہ نصیر نے لکھنؤ میں بعض شعرائے نامی کی تحریک سے دو غزلیں کہیں تھیں جنکی ردیف اور قافیہ یہ تھا۔ قفس کی تیلیاں۔ دہن پتھر کے جب اکثر شعرائے دہلی نے ان زمینوں میں غزلیں کہیں۔ تو شاہ نصیر کو یہ امر بہت ناگوار ہوا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس زمین میں پچاس غزلوں کے قریب کہکر اپنے تلامیذ کو دیدیں۔ اور اس جلسہ کے بعد یہ التزام ہوا کہ ہر مشاعرہ میں طرح کی غزل کے علاوہ یہ طرح بھی برابر جاری رہی۔ الحاصل کئی ماہ تک تیلیوں کی ردیف پر غزلیں ہوتی رہیں۔ یہانتک کہ صدہا غزلیں اس زمین میں لکھی گئیں۔ شاہ نصیر مرحوم کی تلاش قابل صاد اور لائق داد ہے۔ کہ وہ ہر بار ستر اسّی شعر کا دو غزلہ پڑھتے تھے۔ ان کے علاوہ شاگردوں کی بھی غزلیں ہوتی تھیں۔ خاقانی ہند ذوق نے بھی اسی زمین میں ایک بڑا قصیدہ مرزا ابوظفر ولیعہد (جو بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوئے) کی تعریف میں کہکر سر مشاعرہ پڑھا۔ انجام کار باہمی نزاع کیوجہ سے بزم مشاعرہ درہم و برہم ہوگئی اور اسکے بعد دہلی میں اس رتبے کا دوسرا مشاعرہ نہ ہوا۔ جناب پارسا کے یہ دو شعر دستیاب ہوئے۔

نت ہے فریاد و فغاں گریہ و زاری سے مدام	کاش انساں نہ ہمیں حق نے بنایا ہوتا
کوئے الفت کے خاکسار اے دل	مثل آئینہ صاف طینت ہیں ہم

پارسا

پارسا۔ منشی محرم علی پارسا۔ رندانہ مشرب بیباک وضع آدمی تھے۔ شعر گوئی میں مرزا صابر سے اصلاح لیتے تھے۔ یہ اُنکا کلام ہے ؎

جو دیوانے ہیں اُس پریرو کے	اُن کو کیا کام ہوشیاری سے
نام کو پارسا ہوں میں لیکن	مست ہوں نرگس خماری سے

پاکباز

پاکباز۔ میر صلاح الدین عرف پیر مکھن خلف شاہ کمال نبیرۂ شاہ جمال شاگرد مصطفٰے خان یکرنگ شاہ مبارک آبرو کے بڑے عزیز دوست تھے۔ چنانچہ بعض اشعار میں بطور کنایہ اسطرف اشارہ کیا

سے ہے۔ اور یہ سچ بھی آبرو نے اُنکے نام کا کیا خوب کہا ہے۔ "عالم ہمہ دروغ است و محمد مکھن" ان سے تین ہزار بیت کا دیوان یادگار ہے۔ آدمی یار باش خوش وضع اور شکیل تھے۔ اکثر وقت ظرائف اور ریاضت میں صرف کرتے تھے۔ یہ آپکے کلام کا نمونہ ہے۔

مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب ۔۔ خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

چھوڑو سے گھر سے نکلنا ورنہ او بانکی ادا ۔۔ آجکل تلوار چلتی ہے تری رفتار پر

تلوار ڈھال کیونکہ کریں ایک دم جُدا ۔۔ اس عاشقی میں رکھتے ہیں بہتو سے لاگ ہم

جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں ۔۔ تو تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں

پذیر۔ منشی محمد عشرت خان دہلوی۔ ان کے والد نوازش حسین خاں تنویر اچھے شاعر تھے۔ یہ خود دہلی کی عدالت میں سر رشتہ دار رہے۔ اپنے والد کے ہمراہ نیپال بھی گئے تھے۔ سنہ ۱۲۶۶ ہجری سال ولادت ہے۔ مندرجہ ذیل کلام آپسے منسوب ہے۔

سیماب کی طرح کسی کروٹ نہیں قرار ۔۔ خانہ خراب ہو دل پر اضطراب کا

آنکھوں کو شوق دید نے نرگس بنا دیا ۔۔ جب سے بندھا خیال ہے اُس مست خواب کا

جب نہو یار تو اُس جینے سے مرنا بہتر ۔۔ تو بھی کہہ کیا ہے تری اے دل بیمار صلاح

دل سے ہے بیتاب وہ آتا کسی صورت سے نہیں ۔۔ کچھ تو دے آج تو او ناصح غمخوار صلاح

کیا کیا ہیں بشر جینے پہ نازاں کوئی دن کے ۔۔ سامان تو برسوں کے ہیں مہمان کوئی دن کے

حال اُس سے کہوں یا ملک الموت کو دم دوں ۔۔ دم لب پہ جب آیا تو وہ لینے خبر آئے

پروانہ۔ راجہ جسونت سنگھ مرحوم معروف بہ کاکاجی ابن مہاراجہ بینی بہادر تائب نواب شجاع الدولہ شاگرد لالہ سروپ سنگھ دیوانہ۔ ظاہری وجاہت اور حسن اخلاق کے باعث اپنے ہمعصر امرا میں ممتاز تھے ایک تذکرہ میں تو اُنکی خوبصورتی کی یہانتک تعریف لکھی ہے۔ کہ جوان یوسف مثال تھے۔ اور ایک زمانہ زلیخا وار انکا دیوانہ اور فریفتہ تھا۔ استعداد علمی بہت معقول تھی کچھ غزلیں میر مرحوم اور مصحفی کو بھی دکھائیں تھیں سنہ ۱۷۸۹ء میں لکھنؤ میں شان و شوکت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ صاحب دیوان تھے

کلام بہت پاکیزہ اور عمدہ ہے خوش فکر اور طبّاع امیر تھے۔ ہندی کبت خوب کہتے تھے اور ارباب کمال کے بڑے قدر دان تھے حضرت جرأت کا انتقال اُنکے زمانہ میں ہوا۔ چنانچہ اُنہوں نے تاریخ وفات کہی ؎ کہو جنت نصیب جرأت ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کے کتب خانے میں ان کا دیوان موجود تھا۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں انتقال کیا کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کیا کیجئے ہمدم کہ اُسے دیکھ کے ہم تو ۔۔۔ ہر چند سنبھالے رہے پر دل کو غش آیا
کرتے تو کیا قتل یہ خوں بہتے جو دیکھا ۔۔۔ ٹھہرا نہ گیا سامنے قاتل کو غش آیا

آئینہ ساں ہے صاحب جوہر کو زخم غم ۔۔۔ اس دور میں تو عیب و ہنر دونوں ایک ہیں

جو کثرت میں وحدت سدا دیکھتے ہیں ۔۔۔ بتوں میں وہ نور خدا دیکھتے ہیں
جو وہ تیغ ابرو ہیں خونریز ایسے ۔۔۔ تو اکدن یہ گردن جدا دیکھتے ہیں
پھسلتا ہے پائے نگہ اسپہ ہر دم ۔۔۔ ترے رخ کی جب ہم صفا دیکھتے ہیں
مقرر یہاں غیر آتا ہے شب کو ۔۔۔ ترے گھر میں ہم نقش پا دیکھتے ہیں
جدا ہے جو پروانہ اُس شمع رو سے ۔۔۔ نہایت دل اُسکا بجھا دیکھتے ہیں

چشم بد دور پری ہے کہ کوئی حور ہے تو ۔۔۔ سر سے پا تک جو تجھے دیکھیں اک نور ہے تو
لاکھ تدبیر کریں ہاتھ کوئی آتا ہے ۔۔۔ اپنے نزدیک تو ایجان بہت دور ہے تو
بحر ہستی میں ترا جسم ہے مانند حباب ۔۔۔ تپ پہ اکدم کی ہوا کھانے پہ مسرور ہے تو
اُسکی ہمچشمی انہیں آنکھوں نے بس نرگس ۔۔۔ تجھ کو بینائی سے بہرہ نہیں معذور ہے تو
تن بدن میں جو لگی آگ تو اے پروانہ ۔۔۔ کیا کرے اپنے جلا دینے میں مجبور ہے تو

ضعف ہے غش ہے ناتوانی ہے ۔۔۔ بن ترے موت زندگانی ہے
کون مدفون ہے چمن میں صبا ۔۔۔ جسکی تربت پہ گل فشانی ہے
پوچھتے اب ہو مرغ دل کا حال ۔۔۔ کب سے وہ جنت آشیانی ہے
آپ نے رات چھپکے پی ہے شراب ۔۔۔ رنگ چہرہ کا ارغوانی ہے

آہ پروانہ شمع سے ہے لیکن | زور اس میں شرر فشانی ہے

ایدل تو نذر حلقۂ گیسو سے کسی کے | یہ سانپ ہیں کیلے ہوئے جادو سے کسی کے

دل یار سے اور درد مرے دل سے کہے ہے | جانے کا نہیں اب تو میں پہلو سے کسی کے

تڑپتے جو دیکھی ہیں لاشیں تو دل اب | ترے کوچے کو کربلا جانتا ہے

کہتی ہے عندلیب چمن میں پکار کے | اپنے بھی دن پھریں جو پھریں دن بہار کے

جسنے دیکھا اسے کیا سجدہ | غرض اس بت نے بھی خدائی کی

قطعہ

دیکھ تو ہم سے راست بازو نے | تو نے آخر یہ کج ادائی کی

ہمسے رکھکر غبار خاطر میں | جا کر اغیار سے صفائی کی

اے دل آزار تو ہی کر انصاف | ہے یہی طرز دلربائی کی

عہد کیا کیا تھے اور قول و قرار | آہ اس پر بھی بے وفائی کی

سدا ہے جام سے شرمندہ چشم مست سے تیری | صراحی بھی خجل ہے اس تری تصویر گردن سے

ایک دن دیکھا نہ تو عاشق کی غمخواری کرے | بیوفا تجھ سے کوئی کب تک وفاداری کرے

کوچۂ گیسو میں دل کو ڈھونڈئیے | کیا ہوا گر راہ کا کچھ پھیر ہے

نسیم آہ نے شاید کسی کے کی تاثیر | شگفتگی سی ترے غنچۂ دہاں پر ہے

پروانہ

پروانہ - منشی پروانہ علی مرادآبادی - رند مشرب - آزاد منش جوان اور اوائل میں منشی مراد علی حیرت کے شاگرد تھے پھر قیام الدین قائم سے تلمذ اختیار کیا - اکثر کلام باواز بلند کوچہ و بازار میں پڑھتے پھرا کرتے تھے - آخر کار دیوانے ہوگئے - آخر اٹھارویں صدی میں حیات تھے۔

ہمت حضرت قائم سے اگر ہو امداد | چند ایام میں کر لیجیے دیوان درست

کیوں میاں پروانہ ہوئے جل کر ڈھیر | پھر بھی کسی شعلہ رو کو چاہیے

کیونکہ پیغام مجھے اسکا زبانی آوے | نام سنتے ہی مرا جسکو گرانی آوے

جھوٹ کہتا ہے تو قاصد یہ زبانی پیغام | مجکو باور نہیں جب تک نہ نشانی آوے

پرویز

پرویز۔ منشی مرتضےٰ خانصاحب پرویز لکھنوی شاگرد حکیم سید علی ضامن صاحب شوق ابن جناب میر علی اوسط صاحب رشک لکھنوی آپ ۱۸۷۴ء میں حیات تھے اس سے زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ یہ چند اشعار آپکے نتائج افکار سے ہیں۔

ترا احسان ہو دورِ فلک میں زندگی بھر کا	ہمیں ساقی جو دے ساغر شراب روح پرور کا
کسی صورت نہیں مٹتی نہیں کھلتے رخ و عارض	نقاب یار پر موکا ہوا سدِ سکندر کا
سرائے دہر حیرت زا مسافر سب ہیں وہ دنگ	بنا ہے شکل عبرت دیکھو آئینہ سکندر کا
نہ کیوں عشاق ٹھنڈی سانسیں بھرتے بھرتے مر جائیں	چراغوں کو بجھا دیتا ہے جھونکا بادِ صرصر کا
دم تزئین وہ خودبیں دیکھ کر صورت کو کہتا ہے	خدا کی شان ہے آگے آئینہ سکندر کا
ترس کھایا تڑپنے پر نہ کچھ پرویز کے اے بت	بتا بہرِ خدا تیرا کلیجہ کیا ہے پتھر کا

پرویز

پرویز۔ منشی سید یوسف حسین صاحب شاگرد مولانا بیدل آجکل حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں۔ اور وہاں کے نومشق شعرا میں گنے جاتے ہیں یہ کلام کا رنگ ہے۔

ہوتی کیونکر دلنشیں تیری نصیحت ناصحا	دل میں تھے رخنے ہزاروں اور سینہ چاک تھا
سوزنِ تدبیر سے کیونکر رفو ہو چارہ گر	دامن تقدیر جب ہا تو نے اُنکے چاک تھا
کوئی واعظ سے پوچھے آپ کو کیا	جسے چاہا اُسے ہمنے دیا دل

پروین

پروین۔ لالہ انگ رائے نائب محافظ دفتر کچہری فرخ آباد۔ غالباً نواب کلب حسین خاں صاحب نادر سے تلمذ تھا عرصہ ہوا انتقال کیا۔ کلام حاضر ہے۔

تیرے وصال کی نہ کبھی آرزو کریں	کیوں داغدار دل کو ہم اے لالہ رو کریں
دل کیوں جلائیں جان کو کیوں کھوئیں بے سبب	تجھ کو کبھی نہ پیار ہم اے لالہ رو کریں
مانگا جو ہمنے بوسۂ شیریں تو ناز سے	بولے وہ ہنس کے آپ نہ یہ آرزو کریں

پریشان

پریشان۔ پنڈت منولال صاحب دہلوی شاہ نصیر کے فیض تلمذ سے بہرہ ور اور اپنے ہمعصروں میں نامور تھے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

خوباں کی ادا کوئی کب ناز سے خالی ہے	ہر بات پہ جھڑکی ہے ہر حرف پہ گالی ہے
ہم آئیں تو اُٹھ جاؤ غیر آئے تو آ بیٹھو	یہ وضع نئی جاناں کیا تم نے نکالی ہے

پریشان

پریشان - مولوی رشیدہ محمد واجد خلف شاہ تراب الحق - آپ دانا پور پٹنہ کے پیرزادوں میں تھے اور مولوی ذاکر علی ذاکر بنارسی کے تلمذ سے بہرہ ور۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ چند شعر ملے جنکا انتخاب درج ذیل ہے

دل بنا ہے سنگِ مقناطیس مجھ ناشاد کا	تا نہ طرف غیر جائے تیر اُس صیاد کا
خوب اے شیخ ریا کار بنا ہی توبہ	دل میں وہ بت ہے زباں پر ہے الٰہی توبہ

پریشان

پریشان - شیخ محمد نیاز علی پریشان ابن شیخ رجب علی ساکن قدیم سندیلہ مقیم اگرہ۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر کے شاگرد و صاحب تذکرہ شعراوسخن و مثنوی سرمایۂ عشق ہیں۔ ۱۸۶۶ء میں اڑتیس سال کی عمر تھی۔ اور اگرہ میں مشاعرہ کیا کرتے تھے یہ اُنکا کلام ہے۔

نگاہیں پھیر کر صاحب تو بندے سے خفا ٹھیرے	تمہارے تیر کیوں چوکیں اور نشانے کی خطا ٹھیرے
بہاؤ چار آنسو بھی جو ہم کو قتل کرتے ہو	ملال خاطر نازک ہمارا خوں بہا ٹھیرے
کچھ ایسے پاؤں بہکے رہروانِ دشتِ الفت کے	بھٹک کر بتکدہ کی راہ سے کعبہ میں آ ٹھیرے

پنڈت

پنڈت - پنڈت دیارام کشمیری خلف پنڈت روپ چند۔ نواب عماد الملک غازی الدین خان وزیر کی رفاقت میں باعزاز و آبرو زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اُنکی جاگیر کی دار الریاست فرخ آباد میں زیادہ تر قیام رہتا تھا۔ فارسی کلام میں حافظ غلام محمد آزاد سے مشورہ لیتے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں فروغ پایا آپ کے کچھ شعر مولوی قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے انتخاب ہوکر درج کیے گئے

اُس نے ابتک ادھر گذر نہ کیا	آہ نے آہ کچھ اثر نہ کیا
کیا تو نے خراب خانۂ دل	اے صنم کچھ خدا کا ڈر نہ کیا
جان سے ہم گذر گئے لیکن	کبھی تو نے ادھر گذر نہ کیا
آیا جو وہ گل تو گل چمن میں	پھولے نہ سمائے پیرہن میں
اے جان اگر چلا تو یہ جان	تجھ بن نہ رہے گی جان تن میں

پہنچی ہیں جو لب کی تیری باتیں
بیقدر عقیق ہے یمن میں

لایا جو وہ جوئے شیر تو کیا
استاد تھا تیشہ کے وہ فن میں

آنکھوں سے بہاتا خوں کا دریا
طاقت یہ کہاں تھی کوہکن میں

اب تم بھی تو کچھ سلیقہ پنڈت
پیدا کرو شعر اور سخن میں

کیونکر دل اُسپر شیدا نہ ہووے
جس کا کہ ثانی پیدا نہ ہووے

اک عمر سے ہے زلفوں کا لٹکا
ڈرتا ہوں دل کو سودا نہ ہووے

سن سن کے ہمارے آہ و نالے
نالاں ہیں پاس رہنے والے

دیکھا ہے وہ جب سے لالہ رخسار
جینے کے پڑے ہیں ہمکو لالے

ہوتی ہیں مژہ کی برچھیاں پار
وہ شوخ اوہر جو دیکھے بھالے

بالا ہی بتاوے سروِ بالا
ہیں کان میں جب سے پہنے بالے

ہم پر بھی نگاہ ڈالے پنڈت
اُس بت کے خدا یہ دل میں ڈالے

پورن - منشی پورن سنگھ کایستھ ساکن شاہجہان آباد - نواب سعادت یار خان رنگین کے تلامذہ میں مشہور اور شہر کے نامور اطبا میں انکا شمار تھا۔ سنسکرت سے بخوبی ماہر اور بالخصوص فن ویدک (طب) میں اپنے زمانے میں بےمثل تھے - گاہے گاہے تفنن طبع کے طور پر شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے - غدر ۱۸۵۷ء سے دس بارہ برس پیشتر انتقال فرمایا - یہ ان کے اشعار ہیں -

ہم نام رہائی سے بیزار ہیں اے ہمدم
دل چاہِ زنخداں میں ہے جب سے اسیر اپنا

شمشیر تو وہ ابرو اس دل پہ چلا بیٹھے
چھوڑا ہے نگہِ ظالم تو بھی کبھی تیر اپنا

اس رہ میں روا رو ہی لازم ہے سدا پورن
سامانِ سفر رکھے طیار فقیر اپنا

پیچ و خمِ کاکل میں مت جا نیو دل شبکو
اس راہ میں تو چلکر ہووے نہ خجل شبکو

پہنچا - ان بزرگ کا نام معلوم نہیں ہوا۔ مسٹر ایف فیلن اپنے تذکرہ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت فردوس آرامگاہ کے عہد میں دہلی میں رہتے تھے - بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ہندو تھے

بعض کہتے ہیں کہ مسلمان تھے۔ یہ تین شعر اُنکے ہیں۔

ہر چند کہا دل کو اُسنے نہ کہا مانا | پھر دیکھا تو بیجا ہے دیوانیکا سمجھانا
چمن میں نکتہ کہا جب صبا نے تجھ لب کا | دہن جو گل کا کھلا تھا مُنہ انہیں تب کا
زلف کو کہنا پریشاں عقل کی دوری ہے یہ | ہر گرہ میں اُسکے دل ہے گانٹھ کی پوری ہے یہ

پیام

پیام۔ شرف الدین علیخان پیام سراج الدین علیخان آرزو کے شاگرد اور اکبر آباد کے رہنے والے تھے تذکرہ نویسوں نے انہیں طبقۂ دوم کے شعرا میں مانا ہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں فروغ پایا۔ تاباں کے دیوان میں انکی تاریخ وفات موجود ہے۔ فارسی میں بھی صاحبِ دیوان تھے۔ اور ضروریاتِ فن سے با خبر۔ فکر صائب و طبع رسا رکھتے تھے۔

قطعہ

دلی سے کج کلاہ لڑکوں نے ہو | کام عشاق کا تمام کیا
ایک عاشق نظر نہیں آتا | ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

تم ہو بوس و کنار کی صورت | ہم ہیں اُمیدوار کی صورت
بے نوا ہوں زکاۃ حسن کی دے | او میاں مالدار کی صورت ہو
بات منصور کی فضولی ہے | ورنہ عاشق کو آہ شولی ہے

پیام

پیام۔ مرزا حیدر بیگ مغل پورہ من مضاف دہلی کے باشندے۔ اور اوائل میں وہیں رہتے تھے۔ دہلی میں شادی ہو جانے کے باعث یہاں آرہے تھے۔ غدر سے چند سال پیشتر کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے اوائل مشق کا کلام حاضر ہے۔

اس آہ بے اثر نے کیا کچھ نہ کچھ اثر | کل پوچھتا تھا میری گلی کا نشاں وہ شوخ
دیگا تو کیا جوابِ نزاکت کہ کل پیام | بیتاب ہو گیا ترا سنکر فغاں وہ شوخ
مر جائے بھی کوئی تو تاسف نہ ہو اُسے | پالا پڑا ہے آن کے کس سنگدل کے ساتھ
میرے نالوں سے ہوا سینۂ گردوں افگار | کہ پڑا شام و سحر خون شفق ٹپکے ہے

پیر

پیر۔ معتبر مہاراج سنگھ ساکن متھرا۔ ذات کے چوبے اور جائے تعجب ہے کہ بہت کم خوراک تھے خط شکستہ

کی تحریر میں اچھی مہارت حاصل تھی۔ اوائل میں جوان تخلص کرتے تھے۔ پھر پیر تخلص اختیار کیا۔ دہلی قبل از غدر اکثر آیا کرتے تھے۔

رات دن کا ہے ترا مشغلہ آرائشِ زلف
اس سے کیا تجکو کہ ہے حال پریشاں میرا

میں وہ خاکسترِ افسردہ ہوں جوں صبح کہ پیر
داغِ خورشید ہے اِک اخگرِ سوزاں میرا

قبر پر فریادیوں کے اپنے تو ہرگز نہ جا
تیرا پیچھا کب چھٹا اس خاکِ دامن گیر سے

پیر جی

پیر جی۔ پیر جی قمرالدین صاحب دہلوی۔ شاگرد نواب اسد اللہ خاں غالب وسالک مرحوم۔ کتب فروشی اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

رہ و رسم و محبت سے خبر تمکو نہیں اصلا
ٹھکانا زاہدوں کیا ہے تمہارے دین وایماں کا

پیر جی عشق میں گھلے ایسے
اُڑ گیا گوشت رہ گیا چھلکا

پوچھتا کیا ہے شب مجھکو ہوئی کیونکر بسر
رات بھر چھاتی پہ رکھا ہے تری تصویر کو

وہ کیا غیر سے رشتۂ مہر توڑیں
کہ یہ بھی نزاکت کے شایاں نہیں ہے

مرے دل کو کس طرح سے ہو مسرت
کہ اس بزم میں ہائے رضواں نہیں ہے

ہر اک شعر اس کا ہے گنجِ معانی
مقرر یہ غالب ہے شاداں نہیں ہے

ت

تاب

تاب - پنڈت مہتاب رائے دہلوی - آپ کا اصلی وطن کشمیر تھا مگر کئی پشت سے دہلی میں خاندان کی سکونت تھی - استعداد علمی معقول اور شعر نہایت اچھا کہتے تھے - اُنیسویں صدی کے شروع میں حیات تھے - اُنکے یہ دو شعر فرط شہرت سے انکی طباعی اور نکتہ سنجی کے کافی گواہ ہیں -

خُو ہوتی ہمیشہ سے تمہاری اگر ایسی	تو کاہمکو نبھتی مری اے فتنہ گر ایسی
یا تنگ نکر ناصحِ ناداں مجھے اتنا	یا چلکے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

تاب

تاب - میر حیدر قوال ولد میر محبت علی ساکن پانی پت - غدر سے دس بارہ برس پیشتر دہلی میں رہتے تھے - فن موسیقی کو عالم شباب میں ایک درویش کامل وسہرم داس نامی سے جو اس فن میں عدیم النظیر تھے حاصل کیا تھا - نکاتِ فن سے کامل واقفیت کے علاوہ نہایت خوش گلو اور خوش لہجہ تھے - آواز میں غضب کا درد تھا - شعر گوئی کیطرف بھی کبھی توجہ ہو جاتی تھی - یہ دو شعر مرزا صابر کے تذکرے سے منتخب ہو کر درج ہوئے -

میں تو تھا عاقل زمانے کا پہ الفت کے طفیل	کوئی سودائی کہے ہے کوئی دیوانہ مجھے
کثرتِ دل ہر شکن میں دیکھ غیرت سے مُوا	آفتِ جاں ہو گیا زلفوں کا سلجھانا مجھے

تاب

تاب - مرزا الطاف حسین اشرف تاب گورگانی - خلفِ مرزا امداد اشرف - غدر کے چھ مہینے بعد اُنھوں نے ظاہر ہو کر حکام سرکار انگریزی سے مدد معاش چاہی بعد تحقیقات پچاس روپیہ ماہوار پنشن مقرر ہوئی اور اور جزیرۂ موروی سوگن کو بھیجے گئے - یہ ایک شعر اُنکا ہے -

دیا ہے ہمنے دل اے تاب کس بےمہر کو دیکھو	کہ پروا ہو نہ اُسکو اور اُسپر اپنا دم نکلے

تابان

تابان - میر عبد الحی دہلوی، سلسلہ نسب انکا حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام تک پہنچتا ہے - یہ دلی میں پیدا ہوئے - ایسے حسین وجمیل تھے کہ لوگ انکو یوسف ثانی کہتے تھے - دلی میں ان کی خوبصورتی کی یہ شہرت ہوئی کہ ایک بار خود شاہ عالم بادشاہ انکے دیکھنے کے مشتاق ہوئے - حبش خاں

کے پھاٹک کے پاس مکان تھا اور وہ بڑا دروازہ جو کوچہ ندکور سے لاہوری دروازے کے بازار میں نکلتا ہے اُس کے بالاخانے پر انکی نشست تھی (یہ مکان ابتک موجود ہے)۔ ایک روز بادشاہ سوار ہو کر اس راہ سے نکلے۔ انہیں بھی اسکی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی۔ بازار کی طرف مونڈھا بچھاکر آبیٹھے۔ بادشاہ جب اس مقام پر پہنچے تو اسلئے کہ سواری ٹھیراے انکو ایک بہانہ ہو آبِ خاصہ مانگا اور اُسے نوش فرماکر دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ میر تاباں حُسن یوسفی کے ساتھ عاشق مزاج بھی تھے۔ قاسم نے انہیں تیسرے طبقے کے شعرا میں لکھا ہے۔ یہ اپنے زمانے میں ہر دلعزیزی کے باعث امرا اور رؤسا کے جلسوں کی جان سمجھے جاتے تھے۔ اور معمولی حیثیت میں بھی امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ رنگین مزاج ایسے تھے کہ کوئی میلا تماشا بغیر جائے نہ رہتا تھا۔ شوق بھی اپنے تذکرے میں انکی حسن و خوبی اور خندہ جبینی کی تعریف کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ابتداے جوانی میں انکو اسقدر میگساری کا شوق ہوا کہ شب و روز مست و مخمور رہنے لگے۔ اس وجہ سے سخت بیمار ہوئے اور افسوس کہ عرصے قلیل میں وہ آفتاب تاباں افق ظلمت سے ہمکنار ہوا اور اپنی رحلت سے جہان کو تیرہ و تار کر دیا۔ میر تاباں حضرت میرزا مظہر جانجاناں علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ فن سخن میں کئی استادوں سے فیض پایا تھا۔ شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے میں جہاں اپنے تلامذہ کا ذکر کیا ہے اس زمرے میں انکا نام بھی لکھا ہے اور خود انکے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے میر محمد علی حشمت سے بھی اصلاح لی تھی۔ شیفتہ کا قول ہے کہ تاباں مرزا رفیع سودا کو اپنا کلام دکھاتے اور اُنکی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ انکا لباس اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ جو اُنکی دلکش شکل اور جامہ زیب بدن پر نہایت بھلا معلوم ہوتا تھا۔ قدیم تذکروں میں انکے حسن و جمال اور طرز معاشرت کی خوب خوب حالات لکھے ہیں۔ فیلن صاحب کہتے ہیں کہ میر تاباں ۱۷۹۶ء میں بقید حیات تھے۔ بہر حال انہوں نے عالم شباب میں دہلی میں انتقال کیا۔ فن سخن میں بھی نامور ہوئے۔ صاحب دیوان تھے۔ اور زبان خوب کہتے تھے۔ خصوصاً معاملے کے اشعار نہایت صاف ہوتے تھے۔ دیوان انکا میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اسمیں سے اشعار ذیل منتخب ہوئے ؎

اسے عمر خدا ہو تو پرستار بتاں کا
مذہب ہی میں مرے کفر ہے انکار بتاں کا

مجھے آتا ہے رونا ایسی تنہائی پہ اے تاباں
نہ یار اپنا نہ دل اپنا نہ تن اپنا نہ جاں اپنا

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا
جسکو دیکھا سو اپنے مطلب کا

بلبلو کیا کروگے اب چھپ کر
گلستاں تو اُجڑ چکا کب کا

یاں پلک بھی نہ ہم سکیں جھپکا
ایسا قاصد تو جا ئیو لپ کا

جفا پہ اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا
تری بلا سے مری جی پہ جو ہوا سو ہوا

بنائی خاک بھی تاباں کی ہے نے پھر ظالم
وہ ایک دم ہے ترے روبرو ہوا سو ہوا

رخسار و زلف میں ہے اُس گلبدن کے مجھکو
مانند شمع و شبنم لیل و نہار رونا

تبسم دیکھ اُس غنچہ دہن کا
جگر ٹکڑے ہوا ہے ہر کلی کا

تاباں تو رشتۂ غم و اندوہ توڑ اب
تارِ نگہ میں اشک کے موتی پرو چکا

میں خواب میں دیکھا ہے اُسے مہندی لگاتے
کیا جانئے کس کس کا لہو آج بہے گا

تاباں فلک سے کیونکہ بھرے ساغر مراد
رہتا ہے واژگوں یہ پیالہ حباب کا

کس کس طرح کی دلمیں گذرتی ہیں حسرتیں
ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا

اُڑا دے صبا خاک میری اگر تو
تو کوچہ میں اُس بیوفا کے ہی لیجا

حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ تیکدہ میں شیخ
کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا

اخگر کو تہ خاک چھپا رکھیں ہیں دیکھو مجھا
تاباں تو تہ خاک بھی جلتا ہی رہیگا

خزاں تک تو رہنے دے صیاد ہمکو
کہاں یہ چمن پھر کہاں آشیانا

ترے غم سے نسیاں ہے یا تنگ کہ مجھکو
ادھر بات کہتی اُدھر بھول جانا

کمی کیا مے کی ہو جاویگی میخانہ میں اے ساقی
اگر ہمکو پلا دے گا کبھی اِک جام کیا ہوگا

اسبابِ جہاں کی تو ولا فکر نہ کر تو
حاصل نہیں کچھ اسمیں بجز رنج و مشقت

یہ وہ بت ہیں جنھوں نے رام عالم کو کیا اپنا
کوئی انسے لگا کر دل چھڑا سکتا ہے کیا قدرت

ہنستا ہے گل چمن میں تو نالاں ہے عندلیب
وہ دل خوشی نہ دیکھے کبھی اس جہاں کے بیچ

دیکھ اسکو خواب میں جب آنکھ کھل جاتی ہے صبح
کیا کہوں میں کیا قیامت مجھپہ تب لاتی ہے صبح

آگے تو اپنے حسن پہ مغرور تھا ہی تو
اب چاہنے سے میرے ہے دونا ترا گھمنڈ

ہجر میں ساقی کے یارو جب کبھی آتا ہے ابر
تب ہمارے سر پہ کیا روز سیہ لاتا ہے ابر

جو عاشق مرے عشق کی راہ میں
کرو کوچہ یار میں اُسکی قبر

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

منصور کو ہوتی نہ اگر دار سے سیڑھی
تو راہ وہ پاتا ترے دیدار کی کیونکر

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں برنگِ شعلہ
کوئی جاں سوختہ جلتا ہے تہِ خاک ہنوز

دیکھ قاصد کو مرے یار نے پوچھا تاباں
کیا مرے ہجر میں جیتا ہے وہ غمناک ہنوز

دل مرا بسکہ ہے لبیکِ حرم سے بیزار
جاکے بتخانہ میں سنتا ہے صدائے ناقوس

پالکی بھی سب مجھے خدا نے دی
تو بھی تاباں رہا میں خانہ بدوش

کسی سے اسلئے کرتے نہیں ہیں ہم اخلاص
کہ ہے نفاق زمانہ میں اب ہے کم اخلاص

اِن بتوں کو تو مرے ساتھ محبت ہوتی
کاش بنتا میں برہمن ہی مسلماں کے عوض

ماہ پہونچے ہے کہاں مُنہ کی جھلک کو تیرے
وہ بھی ہر چند کہ روشن ہے پہ یہ نور نہیں

کوئی دن دیکھنے دے موسم گل
ارے صیاد پھر بہار کہاں

گلشن میں بیٹھنے کو تمہارے دہن کے ساتھ
کھولا تھا مُنہ کو کلیوں نے پر کچھ نہ بولیاں

سودے میں گذرتی ہے کیا خوب طرح تاباں
دو چار گھڑی روتا دو چار گھڑی باتیں

سُن فصلِ گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں
کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

انجان ہو تو اُس سے کوئی دردِ دل کہے
جو جانتا ہو میں اُسے آگاہ کیا کروں

ورا اے گُل نہ آیا رحم اُس صیاد کے دلمیں
رہی حسرت چمن کی بلبلِ ناشاد کے دلمیں

اُسی کا کام تھا جو بات کہکر چپ ہو رہا اپنا
نہ آیا کچھ بھی وہ حسرت کا جان کا فرہاد کے دلمیں

مرے نزدیک شادی اور غم دونو برابر ہیں
کہ اصلاً غم نہیں ہوتا کبھی آزاد کے دل میں

کوئی عاشق ہوا اسیر تو اسکو قتل کرتا ہے
ترحم کچھ نہیں تاباں مرے جلاد کے دل میں

یہانتک تپش ہے عشق کی مجھ میں کہ بعد مرگ
گل بھی مرے مزار پہ گل کر گلاب ہو

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہونچو
ٹک تمکو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہونچو

تیرے کمندِ زلف کے ملک بہ ملک ہیں اسیر
بسملِ خنجرِ نگاہ خانہ بخانہ کو بہ کو

گر اُٹھے شعلۂ سوزِ جگر پروانہ
آپ سے آپ جلیں بال و پر پروانہ

جو پختہ مغز ہیں سو سوزِ دل نہیں رکھتے
کبھی اُنے شمع سے جلتے میں کچھ سنا بھی ہے

عاشق کے واقعہ کو کہا سُنکے یار نے
مرنے نہ دیتا اسکو جو ہوتی خبر مجھے

اے باغباں اب تو جاتے ہیں ہم قفس میں
چھوٹے تو پھر ملیں گے گر بال و پر رہینگے

جاتی ہے عمر ہر دم ہمکو خبر نہیں ہے
کیا جانیے کہ کبتک ہم بے خبر رہینگے

نہ تجھے شرم بے وفائی ہے
نہ مجھے طاقتِ جدائی ہے

ظالم میری وفا کا جو لیتا ہے تو حساب
اپنی جفا و ظلم کا بھی کچھ شمار ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کرنے کی طاقت کہاں ہے

کروں دعوئے خوں میں قاتل سے اپنے
کب آئے گی یارب قیامت کہاں ہے

میں شکوہ کروں جورِ ظالم کا لیکن
مجھے آہ و نالے سے فرصت کہاں ہے

اسیری سے یا تنگ ہوئی اب تو الفت
کہ شامِ قفس ہمکو صبحِ چمن ہے

مقرر نہیں کوئی تاباں کا مذہب
کہیں ہے مسلماں کہیں برہمن ہے

علاجِ دلفگاراں ہے تری آنکھوں کی مخموری
کہ حد نافع ہے زخمی کے تئیں صہبائے انگوری

تجھے اے ماہرو میں شمع سے تشبیہ دوں کیونکر
کہ کچھ نسبت نہیں ہے اسکو وہ ناری ہے تو نوری

کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے
آہ اس بات میں میری بھی تو رسوائی ہے

محفل کے بیچ سُنکے مرے سوزِ دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جوں شمع زباں میری
تو مے پی اسقدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہووے

قیامت مجھپہ کل کی رات اُسکے ہجر میں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

یاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہ گاری
ترا بیہوش ہوجانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی
بیخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجکو خمار شب کا - تا صبح ہوئی
شیشہ میں جو کچھ کہ مے ہے باقی ساقی

آتش عشق کی کب ہے دل بیتاب کو تاب
قائم انار بھی سیماب کہیں ہوتا ہے
سمجھے فعلوں سے کیا تاباں کے ناصح
وہ جانے اور اُسکا کام جانے

تضمین

میں تیرے عشق سے ازبسکہ کفر میں آیا
تمام خلق نے مشہور ملحد و بیدیں کیا
طریق مسجد و بتخانہ ایکسا سوجھا
دیا ہے قتل کا قاضی نے بھی مرے فتویٰ

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

مری حیرت کی صورت دیکھ آئینہ ہوا حیراں
مرے افسردہ دلکو دیکھکر کمہلا گئیں کلیاں
مری فریاد سُنکر جرس بھی ہے سدا نالاں
مری داسوختگی کو دیکھکے ہر شب شمع ہو گریاں

مری بیتابیوں کو دیکھکر جلتا ہے پروانہ

تاباں

تاباں - مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں خلف الرشید نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب مرحوم خلف اکبر نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر مغفور رئیس لوہارو سنہ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے - علوم مشرقی میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں - فن سخن میں پہلے نواب حسین علیخان شادان مرحوم سے تلمذ اختیار کیا پھر حضرت داغ سے مستفید ہوئے - آپکے دو دیوان مرتب ہوچکے ہیں - کچھ عرصے سے ریاست حیدر آباد میں بھی وظیفہ خوار رہے - اب دہلی میں خانہ نشین ہیں - میرزا باقر علیخان کامل خلف متبنّی حضرت غالب کی بیٹی انکے نکاح میں ہیں - آپ کا منتخب کلام اچھا ہوتا ہے - مشّاق اور ر

زود گو ہیں اور کم و بیش جملہ اصناف سخن میں دخل رکھتے ہیں۔ شطرنج کا شوق ہے اور اچھا کھیلتے ہیں راقم تذکرہ کے ولی عنایت فرما ہیں زبان صاف بندش درست ہے۔ طبیعت میں آمد غضب کی ہے۔ اور کیوں نہو شبانہ روز یہی مشغلہ ہے۔ اپنی نازک خیالی اور شاعری پر فریفتہ ہیں۔ کلام کا جو انہیں کا عطیہ ہے انتخاب درج ذیل ہے۔

لیا ہے پہلے دل اب جان لیلے
کریگا اور الفت آزما کیا

ہوا تاباں کو جینا مرنے سے بدتر جو یاد آیا
طلب کا جاں بحق ہونا دہر مغفور مائل کا

ارمان رہے نکل سکے شب وصل یار میں
نکلے نہ وہ سکے دل امیدوار میں

آئینہ سے بھی رشک رقابت ہے کس لئے
وہ بھی تو دیکھتا ہے بناؤ سنگار میں

نا استواریاں تیرے وعدہ کی بیوفا
ہیں استوار وعدۂ نا استوار میں

پریشاں کرچکی ہیں سب ہی آہیں
یہ ممکن ہے کہ وہ غیروں کو چاہیں

تلوّن انکا شیوہ ہوگیا ہے
محبت ایک سے کیونکر نباہیں

کیا زخمی میرے دل کو جگر کو
چلیں ہیں تیر بن بنکر نگاہیں

نہ آیا راہ پر وہ شوخ سمجھتے
نکالیں سینکڑوں ملنے کی راہیں

دھرا کیا ہے بجز اسکے تن زار محبت میں
کہ ہے تار نفس الجھا ہوا تار محبت میں

کسی پر مرمٹے ناصح تو اسکو حال کھل جائے
کہ کیونکر رات دن کٹتی ہے افکار محبت میں

ہوا ہے سب سے بیگانہ زمانہ میں یگانہ ہے
عجب وارفتگی پاتا ہوں سرشار محبت میں

کہتے ہو تم کہ تجھسا جہاں میں حسیں نہیں
آئینہ دیکھکر بھی کہوگے کہیں نہیں

تیری شوخیاں اور میری حسرتیں
سر بزم سب کچھ بیاں کرچکیں

نگاہیں تیری اسپہ پڑنے لگیں
نگہبانیاں پاسباں کرچکیں

وعدہ وہ وعدہ ہے جو وقت پہ ایفا ہو جائے
یوں تو ہر ایک سے وہ وعدہ کیا کرتے ہیں

نظر آگیا جو وہ جلوہ نہیں ہے
اسے دیکھتا کچھ تماشا نہیں ہے

جو اُس بت کی چوکھٹ کو چوما تو بولا — یہ کعبہ نہیں ہے کلیسا نہیں ہے

ہاتھ سے وضع وید سے ہی بنی — غیر سے آشتی کیے ہی بنی

وہ جو روٹھے شراب بھی چھوڑی — من گئے جب کبھی پیے ہی بنی

دل کے لیتے ہی دین بھی مانگا — جو کہا اُسنے وہ کیے ہی بنی

آج تاباں سے متقی کو بھی — دُردِ آلودہ مے پیے ہی بنی

ابرو کی تیغ سے سرِ مقتل لٹا مجھے — مرجاؤں نہیں تو بن کے مسیحا جلا مجھے

خیالات زاہد کو ہیں دور کے — مزے چل کے جنت میں لو حور کے

یہ ہونا ہے اکدن کہ تجھے چھوڑ کے بیٹھیں — کب تک ترا کہنا دلِ ناشاد کرینگے

یہ دعائیں مانگتا ہوں گھر دل میں آ رہی — آپ کا تیرِ نظر خنجر بنے اور ٹوٹ جائے

جفا پر وفا مجھ وفادار کی — زبانوں پہ بن کر کہانی رہے

تو ہی بتا دے ناصحِ ناداں میں کیا کروں — دل اختیار میں ہے نہ وہ اختیار کے

تاباں

تاباں۔ منشی احمد خاں خلف منشی عباد اللہ خان متوطن خورجہ ضلع بلند شہر۔ آغا شاعر دہلوی سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں۔ طرزِ جدید میں بھی فکر کرتے ہیں۔ اگرچہ ابھی نومشقی کا عالم ہے مگر طبیعت تیز اور ذہین ہے اگر کہے گئے تو اچھی ترقی کر جائیں گے۔ زبان کی صفائی کی طرف توجہ زیادہ ہے۔ صاف شعر کہتے ہیں۔ ۱۸ برس کی عمر سے فکر کرتے ہیں ۲۶ برس کی (۱۹۰۸ء) عمر ہے اور گوالیار امپریل سروس انفنٹری میں کپتان ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

گھر کر گئی ہے دل میں یہ کچھ لذتِ ستم — ڈرتا ہوں ہو نجائے وہ بت مہرباں کہیں

یہ مقتضائے طرزِ زمن ہے ورنہ شیخ — دوزخ کہیں ہے اور نہ باغِ جناں کہیں

یاروں کی ایک چال تھی یہ بھی ڈرو نہیں — دنیا میں حشر کرتی ہیں آہ و فغاں کہیں

کیا پوچھتے ہو جیتے ہیں مرنیکی آس پر — وہ دن خدا دکھائے کہ آئے قضا کبھی

بیجرم آپ شوق سے سر کاٹ لیجئے — پھیریں گے منہ نہ تیغ سے اہلِ وفا کبھی

آج وہ برگشتہ مژگاں غیر کی محفل میں ہے	ہائے کیا چبھتا ہوا کانٹا ہمارے دل میں ہے
سُنا منصور کا قصہ تو مجھ سے ہنس کے فرمایا	گنہ گارِ محبت کے لئے یہ بھی سزا کم تھی

تابش

تابش - محمد جعفر نام - انکا اصلی وطن الہ آباد تھا مگر غدر سے بیس پچیس برس پیشتر دہلی میں آن رہے تھے جوانی میں معقول عہدوں پر ممتاز رہے - موزوں طبع تھے اور اصلاح کہتے تھے -

کبھی بن بادہ رہ نہیں سکتے	تو یہ کچھ ہمکو سازگار نہیں
دل میں خوش ہیں عدو پر اے تابش	وہ ستمگر کسیکا یار نہیں

تابش

تابش - محمد عبد الباری نام، خلف منشی سید محمد قاسم مرحوم، مولد و مسکن صاحب گنج گیا ہے - عمر ۱۹ سال کی ہے - فارسی بقدر مناسب جانتے ہیں اور ہنوز زیر تعلیم ہیں - حافظ محمد عبد الرحمن بسمل سُنہاروی کے حلقۂ درس میں داخل ہیں - منشی سید مہدی حسن سازش جونپوری خلف اوسط مولوی حکیم سید اولاد علی کاہش جونپوری کے نواسے ہیں - انکے والد بھی شاعر تھے اور قمر تخلص کرتے تھے - وہ مولوی فصیح احمد خنجر بتھیوی سے اصلاح لیتے تھے - تابش کو عرصہ قلیل سے شعر گوئی شوق ہوا ہے - خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی شاگرد شیخ محمد جان شاد پیرو میر سے تلمذ ہے - ایک غزل انکی ہمیں ملی اُسمیں سے یہ شعر منتخب ہوئے -

صاف انکار سے وعدہ تو نہ ٹالا ہوتا	معذرت کا کوئی پہلو بھی نکالا ہوتا
اور کیا تھا جو میں دیتا عوض اک بوسے کے	نقدِ دل پیشکش خدمت والا ہوتا
عشق کرنا تھا حسینوں سے اگر اے تابش	پہلے اپنے دل نالاں کو سنبھالا ہوتا

تاثیر

تاثیر - خواجہ محمد جانصاحب لکھنوی شاگرد نسیم دہلوی - عرصہ ہوا انتقال کیا - کچھ غزلیں نظر سے گزریں اُنکا انتخاب حاضر ہے -

بال کھولے ہوئے زلفوں کی پریزاد آیا	دام بر دوش چمن میں مرا صیاد آیا
بتکدے سے طرفِ کعبہ چلے ہم آخر	ایسا اُس بت نے ستایا کہ خدا یاد آیا
ہے وہ تیزی کہ تصور نے بنایا بسمل	آپ کا خنجر ابرو جو مجھے یاد آیا

خوب ہشیار کیا اُسکے تغافل نے مجھے | بھولا وہ بت مجھے ایسا کہ خدا یاد آیا
ستاتے ہیں لحد مٹی مری برباد کرتے ہیں | ستم ایجاد اب تک یہ ستم ایجاد کرتے ہیں
وہ بلبل ہیں ہمیں صیاد جب آزاد کرتے ہیں | عوض شورِ مبارکباد کے فریاد کرتے ہیں
نشانِ جسم تک باقی نہیں ہے ناتوانی سے | عبث تدبیرِ محبوسی مرے صیاد کرتے ہیں
واقف ہے درد دل سے مگر خوب وہ حسیں | کیوں پوچھتا ہے پھر سببِ انتشارِ دل

تاثیر

تاثیر - لالہ کنہیا لال ولد لالہ کیول کشن باشندۂ فرخ آباد - منشی سید اسمٰعیل حسین صاحب منیر کے تلامذۂ خوش فکر سے تھے - ایام غدر میں حیات تھے - زیادہ حال معلوم نہو سکا - یہ انکے اشعار ہیں -

خنجر سے دل کے سینکڑوں ٹکڑے جو کر دیئے | میرا کلیجہ بڑھ گیا اے گل ہزار ہاتھ
ہاتھوں کو ناچ میں جو کبھی کر اُٹھائیے | دریائے حسن آپ کا بڑھ گیا چار ہاتھ
تاثیر کوئے دامنِ قاتل نہ چھو سکا | دوڑا ہے بسملوں نے عبث بار بار ہاتھ

تاثیر

تاثیر - حافظ محمد حسین دہلوی - غدر سے پیشتر دہلی میں موجود اور خدا بخش خاں تنویر کے شاگردوں میں تھے - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ کلام ہے -

وہ ہوا پاس تو قابو میں دل اپنا نہوا | ہائے مطلب تو ہوا حسب تمنا نہوا
بیمار کیا اور بھی اس کم نظری نے | ظالم ہمیں مارا تری بیدادگری نے
بتخانے کے خیال نے کعبہ جھکا دیا | الفت بتوں کی لائی کہاں سے کہاں مجھے

تاثیر

تاثیر - حکیم محمد حسن خاں - سنام ریاست پٹیالے کے رہنے والے اور موجودہ کے شعرا میں ہیں - آپکو غالبًا مولانا شوکت سے تلمذ رہا ہے - کلام ملاحظہ ہو -

وصالِ یار سے بڑھکر ہے لذت سوزِ فرقت میں | مزہ پاتا ہوں دوزخ میں مرا جاتا ہوں جنت میں
چراغِ مہر لیکر ڈھونڈھنے کو مہر نکلا ہے | مری گم گشتہ قسمت کو غبارِ شامِ غربت میں
آبلہ پا ہوں مجھے چھوڑا ہے کیوں گلزار میں | لیچلو مسکن ہے میرا وادیِ پرخار میں
کیوں نہ آ جائے قیامت کھیلتی بازار میں | خود اُلجھے آ رہے ہیں اپنی ہی رفتار میں

تاج

تاج - منشی محمد تاج مقیم انبالہ۔ آپ کو مولانا شوکت میرٹھی سے تلمذ ہے۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

پہلو میں رشکِ ماہ تھا دورِ شراب تھا	اک برج میں قرانِ مہ و آفتاب تھا
پل پل جب انگلیوں پہ گنے ہمنے روزِ ہجر	اپنے حساب تو وہی روزِ حساب تھا
سینے پہ بحرِ حسن کے ابھرا ہوا تھا کچھ	یہ قلزمِ شباب کا شاید حباب تھا
آنے سے یہاں کو کرتے ہو ایجاب جاں نہیں	اے میری جان جانیں اب میری جاں نہیں
کیوں پست حوصلہ ہوں مقدر کے سامنے	ہے یہ تو شکوہ عدل کا داور کے سامنے
خورشید یوں ہے عارضِ انور کے سامنے	جیسے چراغ مہرِ منور کے سامنے
اس چاہ نے خدا سے مجھے سرنگوں کیا	کرتا ہوں سجدہ اک بتِ کافر کے سامنے
آنکھوں میں کس غضب کی ہے تسخیر ساحری	افسوں چلے نہ چشمِ فسوں گر کے سامنے

تاج

تاج - سید عظمت شاہ صاحب رامپوری شاگرد منشی عابد حسین اوج رامپوری زمانۂ حال کے نوشق لوگوں میں ہیں۔ یہ کلام کا انتخاب ہے۔

میکشی سے خاک اب توبہ کریں	ایک دو دم زندگانی اور ہے
توبہ بھی کر لینگے ناصح پی تو لیں	کوئی دن کی یہ جوانی اور ہے
کیا ہوا گر حشر تک زندہ رہے	خضر عمرِ جاودانی اور ہے
فائدہ کیا جبہ و دستار سے	دین کی زاہد نشانی اور ہے

تاسف

تاسف - سید محمد حسن صاحب حضرت پوری تلمیذ حضرت عشق لکھنوی آپکا مطبوعہ دیوان موجود ہے۔ جسکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے۔ باوجود تلاش حالات دستیاب نہو سکے۔ کلام سے یہ بات ظاہر ہے کہ شعر گوئی میں خاصی قدرت رکھتے تھے۔ مضمون کی طرف بھی طبیعت دوڑتی ہے نشست الفاظ اور انداز بیان بھی خاصہ ہے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

کیا ترحم آگیا کچھ دل کو تیرے وقتِ ذبح	ہاتھ کیوں چلتا ہے قاتل حلق پر رکتا ہوا

شعلۂ عشق سربلند رہا
اس پہ دل صورتِ سپند رہا

سوختہ قسمت ہوں ایسا مزرعِ امید پر
برق گرتی ہیں اگر بارانِ رحمت مانگتا

آبِ رحمت سے بجھاتا گر نہ خالق روزِ حشر
شعلۂ دل سے امان مہرِ قیامت مانگتا

وہ آگ دل میں لگی تھی تمہاری فرقت سے
کہ ابرِ دیدۂ گریاں جسے بجھا نہ سکا

رخِ محبوب جب پیشِ نظر تھا
چراغِ طور گویا جلوہ گر تھا

پسِ مرگ بھی حشر برپا رہا
ہماری محبت کا یہ چرچا رہا

مسیحا کی صورت نہ آئی نظر
مریضِ غمِ ہجر مرتا رہا

ہم تھے قریبِ مرگ کہ وہ مہرباں ہوا
پیری جب آئی بخت ہمارا جواں ہوا

ہوا ممنون میں تیرِ نظر کا
نشاں بھی اب نہیں دردِ جگر کا

شہرہ ہمارے قتل سے انکا سوا ہوا
ناحق کا خون غازۂ تیغِ جفا ہوا

ہوا سے اڑ گئیں زلفیں جو انکے روے روشن پر
ہوا مستوں میں غل کالی گھٹا چھائی ہر گلشن پر

اے فلک جاؤں کدھر میں کوے جاناں چھوڑ کر
بلبلِ نالاں کہاں جائے گلستاں چھوڑ کر

رخسار سے بہم ہیں جو گیسو الگ الگ
بل کھا رہے ہیں کیا یہ سیہ رو الگ الگ

باندھا گلا کسی نے تو کاٹا کسی نے سر
کرتے ہیں ظلم گیسو و ابرو الگ الگ

ہو کے ابرو و نگہ سے تری بسمل قاتل
لذتِ قندِ مکرر ہوئی حاصل قاتل

تیز بھوں سے بھی خنجر کو نہیں کرتا ہے
حق نے پتھر کا بنایا ہے ترا دل قاتل

ہزاروں عاشقوں کا خون ہوگا وہ نکھرتے ہیں
دھرا ہے سامنے آئینہ کو گیسو سنورتے ہیں

ہر جا ہے اسکا جلوۂ رخ وہ کدھر نہیں
پر جس سے دیکھ لیں وہ ہماری نظر نہیں

مضمونِ درد قابلِ شرح و بیاں نہیں
تم جسکو سن سکو وہ مری داستاں نہیں

چرخ کو چکر زمیں کو زلزلہ لرزاں ہیں کوہ
خوف میری آہِ سوزاں سے تمہیں لیکن نہیں

کیونکر نہ زندگی ہو بسر اضطراب میں
دل پھنس گیا ہے کاکلِ پر پیچ و تاب میں

تمہارے گیسو و خالِ جبیں کا وصف ہو کیونکر	نہ ایسا واہم دیکھا ہے نہ اس انداز کا دانہ
محبِ اندوہ سے بہتر نپایا کوئی دنیا میں	نچھوڑا ساتھ مرنے پر اسے کہتے ہیں یارانہ
زلفِ سنبل اور ہے گیسوئے جاناں اور ہے	زلف پیچاں اور ہے زلفِ پریشاں اور ہے
بجائے اشک اب خونِ جگر آنکھوں سے بہتا ہے	الٰہی کس طرح کا درد ہے جو دل میں رہتا ہے
خلوت ہے کنج باغ ہے فصلِ بہار ہے	ساقی شراب آکہ ترا انتظار ہے
یاد تیرے زلف و ابرو کی ہیں بھولوں کس طرح	پاؤں میں زنجیر ہے اور حلق پر شمشیر ہے
گلے سے لگا لینے کے قابل نہیں ہے	ولا ماہِ نو تیغِ قاتل نہیں ہے
تاسف وہ گل کیا ترے بس میں ہوگا	کہ قابو میں تیرے ترا دل نہیں ہے
کہتے ہیں وہ نظر مری تجھپر رہا تو کی	لایق اگر وفا کے نہ تھا تو جفا تو کی
شکوہ کیا نہ آنے کا اُسنے تو یہ کہا	دل میں تمھارے یاد ہماری رہا تو کی
آہ اب تک کوئی نکلی نہ شرر سے خالی	اشک ٹپکا نہ کوئی لختِ جگر سے خالی
جُدا ہی کر دیا تیغِ جفا سے	بہت اچھی دوائے دردِ سر کی
تعلق دستِ وحشت کو ہوا اپنے گریباں سے	بہار آتے ہی جنگل کو چلے اوٹھ کر گلستاں سے

تاسف - جناب ناصر الدین حیدر صاحب خورجوی ضلع بلندشہر۔

ناکام آرزوے محبت کا کام کر	ابرو سے کام لے کوئی خنجر اگر نہو
ہم اور ترکِ عشقِ بتاں واہ ناصحا	یہ تو کبھی نہ ہم سے ہوا عمر بھر نہو

تائب - مولوی محمد حسین تائب برادر زادہ حقیقی مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی - فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے تلمذ سے فیضیاب تھے - شعر بہت کم کہتے تھے مگر سخن فہم اعلےٰ درجے کے تھے - دورِ موجودہ کے مشہور شاعر قاضی غیاث الدین خورشید آپ ہی کے شاگرد ہیں دس بارہ سال ہوئے انتقال فرمایا - یہ آپکا کلام ہے -

مجھکو جب عہدِ وفا یاد آیا	اُسکو بھی شغلِ جفا یاد آیا

سے کہے اس بت کو مشابہ کس کے
دیکھکر جس کو خدا یاد آیا

عہد پیری میں جوانی کی اُمنگ
آہ کس وقت میں کیا یاد آیا

پھر کتاں وار جگر چاک ہوا
پھر کوئی ماہ لقا یاد آیا

تائب

تائب - ان کا اور حال معلوم نہوا - صرف اسقدر واقفیت ہے کہ ۱۲۷۶ھ کے گلدستۂ شعرا میں ان کی غزلیں دیکھی گئیں انہیں کا انتخاب درج تذکرہ ہے - کلام کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی مشاق اور طبیعت دار تھے -

عضب ہے یار ترے پھول سے بدن کی بہار
بنائے گی ہمیں دیوانہ اس چمن کی بہار

جو دیکھ پائیں عنادل ترے بدن کی بہار
نظر میں انکے ابھی خار ہو چمن کی بہار

دکھا رہا ہے عجب رنگ کوہ پر لالہ
پس فنا ہے عیاں خون کوہکن کی بہار

ضرور عارض گلرنگ تیرے دیکھے ہیں
نہیں سفید ہے بوجہ نسترن کی بہار

کسی روش نہ ریاض جہاں پہ ہو راغب
کہ پنج روزہ ہے تائب بس اس چمن کی بہار

وہ لڑکپن کی چال چلتے ہیں
بوسہ دینے پہ بھی مچلتے ہیں

ہم ادھر ہو رہے ہیں سینہ سپر
تیر مژگاں اُدھر سے چلتے ہیں

باغ دنیا میں وہ شجر ہیں ہم
پھولتے ہیں کبھی نہ پھلتے ہیں

ٹکڑے ہیں دامن و گریباں کے
خوب وحشت کے ہاتھ چلتے ہیں

ڈھونڈھتا ہوں اُنھیں جو اے تائب
خانۂ دل میں وہ نکلتے ہیں

تائب

تائب - مولانا حافظ شاہ احمد خان شاہجہانپوری عرف بدھن خاں خلف رن باز خاں عربی فارسی کے جید عالم اور سن رسیدہ آدمی ہیں - شاہجہانپور روہیلکھنڈ کے متوطن اور قوم کے پٹھان ہیں - ۱۲۵۳ھ سال پیدایش ہے اس حساب سے اب ۷۵ سال کی عمر ہے - بچپنے ہی میں عارضہ چیچک کی بدولت آنکھوں سے معذور ہو گئے - لیکن چونکہ حافظہ بہت درست پایا تھا اُستاد کی اندک توجہ سے حافظ قرآن ہو گئے - اسی طرح کتب درسیہ اکثر حفظ کر لیں - نواب غلام احمد خاں

رئیس سے فارسی پڑھی اور اُنھیں کے فیضان صحبت سے شاعری کیطرف توجہ ہوئی بعد فراغ تحصیل علوم درس دینا شروع کیا۔ اکثر منتہی طالب علم اُسے درس پا چکے ہیں۔ سنہ ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ اسلامی بمبئی کے مدرسی کے واسطے طلب ہوئے مگر چند ماہ بعد ملازمت ترک کر کے اپنے ہموطن دوست معشوق علیخان صاحب جوہر کے پاس بھوپال چلے گئے۔ اُنکی وساطت سے نواب عالمگیر محمد خاں کی سرکار سے تیس ۳۰ روپیہ ماہوار اور خاصہ مقرر ہوگیا۔ ۶ ماہ وہاں قیام کیا اور طلبار کو درس دیتے رہے۔ ریاست میں باضابطہ ملازمت کا سلسلہ درپیش تھا کہ ناموافقت آب وہوا کے باعث علیل ہوکر وطن چلے آئے۔ اور پھر ۱۶ برس تک مدرسہ عربی کے ہیڈ مولوی رہے۔ اب بطور خود منتہی طلبار کو گھر پر درس دیتے ہیں۔ شعر کا بہت شوق ہے۔ شاہجہانپور کے شاعروں کی رکن رکین سمجھے جاتے ہیں۔ تصانیف میں دیوان اُردو کے علاوہ انشا مشہد عشرت نام بڑی ضخیم کتاب ہے جسمیں متعدد اقسام نثر کے نمونے دکھائے ہیں۔ آپ کے شاگرد بکثرت ہیں جن میں تحمل جلالپوری صاحب دیوان ہیں۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

داغِ بیچارہ رہے کے دلمیں نہو کیونکر ساقی
ساغرِ مے نہوا لالۂ گلشن اُن کا

نہیں چلتا کوئی فقرہ نہیں بنتا کوئی حیلہ
بسانِ کوششِ بیجا برنگِ سعیِ باطل ہوں

تنگیِ وجود مجھسا جہاں میں کہیں نہیں
آنسو کے پونچھنے کیلئے آستیں نہیں

کھینچے ہوئے ہیں چلہ گماں کی کمان کا
چٹکی سے چھوٹنے کا خدنگِ یقیں نہیں

سر پہ نہیں یہ چرخ ہے اُڑا ہوا دھواں
چھالا پڑا ہے پاؤنکے نیچے زمیں نہیں

بلبل کے سوزِ دل نے بھڑک کر جلا دیا
کلیاں قبای گُل میں نہیں آستیں نہیں

بدتر کسیکی موت سے یوں زندگی نہو
جیسا میں بدنصیب ہوں یارب کوئی نہو

برسیں ہوئیں سسکتے نکلتی نہیں ہے جان
مرجانا عاشقوں کا ترے دل لگی نہو

دفتر مرے گناہ کے جو دیکے کرنا گئے
تیوری جو مغفرت نے چڑھائی ٹھٹک گئے

غم نہیں تلخیِ دشنام نے گر زہر دیا
لبِ قاتل میں ہے اعجاز مسیحائی بھی

شہیدِ ناز کا مٹھی میں کس دن خوں بہا لائی — شہادت کا تمسک شوخیِ رنگِ حنا لائی
گلا ہم سخت جانوں کا اجل سے کٹ نہیں سکتا — چڑھا کر سان پر سو بار شمشیرِ قضا لائی
خدا کے سامنے ہوگا مرا ہاتھ اور ترا دامن — جو اُس کوچے سے میری خاک بادِ صبا لائی

تھے کدھر اے مری آنکھو نے گذرنے والے — شیشۂ دل میں پری بن کے اُترنے والے
دے اگر اللہ دل انسان کو رکھدے اُسمیں داغ — عشق کا سودا عطا کردے جو سر پیدا کرے
واہ ری قسمت کہ ہم پیدا ہوئے اس عہد میں — عیب سے بدتر ہے گر کوئی ہنر پیدا کرے
رند کہتے ہیں خدا انساں سے پوشیدہ نہیں — دیکھنے کے واسطے زاہد نظر پیدا کرے
بے خبر ہیں نہیں کچھ ہمکو خبر ہوتی ہے — صبح ہوتی ہے کہاں شام کدھر ہوتی ہے
ضعف کا بعدِ فنا بھی یہ اثر ہے باقی — میرے مرنیکی جو برسوں میں خبر ہوتی ہے
بیقراری سے دلِ مضطر کی کیا حاصل مجھے — کرچکا تیرِ نگاہِ جانستاں بسمل مجھے
کچھ نہیں معلوم کس آفت کی ہے تاثیرِ حسن — بھول جاتا ہے تجھے پاتے ہی میرا دل مجھے
ابر کے پردہ سے باہر آفتاب آنے کو ہے — توڑ کر جوبن کی دیواریں شباب آنیکو ہے
رخصت اے وسوسۂ توبہ کہ ہے فصلِ بہار — خیر مقدم ہوسِ بادہ کہ بادل آئے
شمع فانوس ہوئے بزم میں اندھیر ہوا — تم جو آنکھوں میں لگائے ہوئے کاجل آئے
خوبرو یونہیں جلا کرتا ہوں تائب مثلِ شمع — ہیں پری پیکر سمجھتے مشعلِ محفل مجھے

تائب

تائب۔ مولوی عبدالقادر۔ مولانا شوکت میرٹھی کے شاگرد ہیں۔ قصبہ بوڑیہ ضلع انبالہ انکا وطن تھا اور ۱۸۸۴ء میں شملے میں آرمی پریس کے مالک تھے۔ یہ چند شعر انکے نتائجِ افکار سے ہیں۔

کیا فائدہ سر لاکھ زمیں پر کوئی رگڑے — پیشانی کا لکھا کبھی زائل نہیں ہوتا
طے ہو نہیں سکتے کبھی عرفاں کے منازل — رہبر جو کوئی مرشدِ کامل نہیں ہوتا
تیغِ ابرو سے شہادت ہے مری قسمت میں — مجکو دم دیتا ہے ہر دم دمِ شمشیر عبث
کب کسی کے یہ ہوئے ہیں بتِ بے پیر کہو — جان پر کھیلتے ہیں عاشقِ دلگیر عبث

سیم و زر خاک کا ہے ڈھیر جو قسمت میں نہو	سنگ پارس ہے عبث نسخۂ اکسیر عبث

تابؔ

تابؔ ۔ منشی کھنو لال صاحب خلف منشی جھاؤ لال صاحب تلمیذ و نبیرۂ جناب واجب لکھنوی ملازم کوٹھی خزانہ میرٹھ بنک ۔ آپ قوم کے کالستھ ہیں اور ریاست حیدر آباد سے بھی کچھ وظیفہ پاتے ہیں ۔ عرصہ تک وہاں رہے بھی ہیں ۔ دو تین چھوٹے چھوٹے رسالے جن میں گانے کی چیزیں جمع کی ہیں تالیف کر کے شایع کرا چکے ہیں ۔

اب کس طرح سے کہیے جیتی گا وہ غمزدہ	تابؔ کو تمنے دل سے بھلایا یہ کیا کیا
کھول کر بال جو وہ گیسوؤں والا نکلا	کوئی مجنوں کوئی مفتوں کوئی شیدا نکلا
قیس نے دشت میں دیکھا جو بگولہ اٹھتے	دوڑ کر کہنے لگا ناقۂ لیلیٰ نکلا
چاہت میں جوانی ہوئی برباد ہماری	سنتا نہیں اب بھی دل ناشاد ہماری
بیکار چبھوتا ہے مرے جسم میں نشتر	خالی ہیں رگیں خون سے فصاد ہماری
صحرا میں مجھے دیکھ کے مجنوں یہ پکارا	اس وقت مدد کیجیے استاد ہماری
دیکھیے کس کس کے ماتھے جا لگے کس کس کا ہو خوں	نیمچہ زیب کمر ہے ہاتھ میں شمشیر ہے
دل کھنچا آتا ہے میرا خود بخود آنکھوں کی راہ	ہائے کس کافر کی یہ جادو بھری تصویر ہے
کہتے ہیں جبکو تیرگی شام ہجر لوگ	سائے ہیں وہ فقط مرے بخت سیاہ کے
مرے آپکے حسن و الفت کا قصہ	جہاں دیکھیے اب وہاں ہو رہا ہے
نہ کیونکر عاشق جانباز تیرا دل سے بندہ ہو	عجب اللہ نے اے بت تری صورت بنائی ہے
نہیں طاقت ہے مجھ میں دو قدم بھی راہ چلنے کی	کشش تیری محبت کی یہانتک کھینچ لائی ہے

تبارک

تبارک ۔ ابو البرکات سید محمد تبارک حسین صاحب سہسرامی مقیم شہر کلکتہ تلمیذ حضرت داغ دہلوی ۔ زیادہ حال معلوم نہیں یہ چند شعر انکے ہیں ۔

اثر تجھ میں بھی گر اے نالہ ہائے بے اثر ہوتے	وہ مجھپر نام ہی کو مہرباں ہوتے مگر ہوتے
زمیں پاؤں کے نیچے سے سرک جاتی ہے ہجر میں	کسیکو بھی نہ دیکھا ہے ہمنے جا بجا وقت پر ہوتے

فلک کو درد کیوں ہوا سے دلِ دردآشنا میرا | کلیجے دل میں کیوں پیدا ہو یہ میرا جگر ہوتے

تبسم

تبسم۔ شیخ آلہی بخش لکھنوی ملازم حضرت واجد علیشاہ بخشی گری کی خدمت پر ممتاز اور منشی مظفر علی ہنر کے شاگرد تھے۔ عرصۂ دراز تک مٹیابرج کلکتے میں رہے ۱۸۸۴ء میں زندہ و سلامت موجود تھے یہ ان کا کلام ہے ؎

جس کا دل ہو نہ گرفتار اُسے قید کرو | مجکو دکھلاتے ہو تم زلفِ گرہ گیر عبث
باغباں اُنکے لئے پھولونکا زیور لیجپلا | غنچہ مٹھی ہیں نچھاور کے لئے زر لیجپلا
رل چکے مٹی میں بھی ہم ہو چکے برباد بھی | اب کہاں یہ خاک اے چرخِ ستمگر لیجپلا
بیکار نہیں ناخنِ تدبیر کسی وقت | کُھلتا نہیں یہ عقدۂ تقدیر کسی وقت
اسقدر ہے اُسکے بسمل کو تڑپنے کی ہوس | خود بخود جھکتا ہے قاتل کے نمکداں کی طرف
انقلابات زمانے کے یہ دیکھے ہمنے | کل جو آباد تھی ہے آج وہ صحبت برباد
عشق کے ہاتوں سے گھر پہ لٹے بیٹھے ہیں | کرچکے صبر و شکیبائی و طاقت برباد
آرزو یہ ہے کہ وہ خوش رہیں آباد رہیں | اے تبسم ہوئے ہم حسن کی بدولت برباد

قانع وہ ہوں کہ میری قناعت یہ کہتی ہے | دستِ طلب ہو قطع بریدہ ہو پائے حرص
درد کیوں رکھے نہ حسن و عشق کا افسانہ شمع | شمع کا پروانہ کُشتہ یار کی پروانہ شمع
رُخ سے اُٹھا دیا ہے جو اُسنے نقاب کو | دن کر دیا ہے آج شبِ ماہتاب کو
لازم ہے راہِ عشق میں ثابت قدم رہے | رحمت خدا کی سمجھے بتوں کے عتاب کو

تبسم

تبسم۔ نواب سید علی محمد تبسم رئیس تحصیل مرادآباد۔ فن شعر کا بھی شوق ہے یہ چند اشعار انکے ہیں۔

کب تک رکھو گے منہ کو چھپائے نقاب میں | کبتک رہے گا چاند سا مکھڑا احجاب میں
کہتے ہو پھر کہ ہمسے تعلق کسیکو کیا | لیتے ہو چٹکیاں دلِ خانہ خراب میں
کہتے تھے ہم بتوں سے لگاؤ نہ اپنا دل | آخر کو پھنس گئے نہ تبسم عذاب میں

تبسم۔ خواجہ مرتضیٰ حسین شاگرد حضرت داغ۔ پیام یار سے کلام نقل ہوا۔

ہجر صنم میں مجھکو عجب اضطرار ہے
عاشق کی زندگی ہو کہ معشوق کی وفا

کچھ یاس ۔ کچھ اُمید ہے کچھ انتظار ہے
دنیا میں کب کسیکو ثبات و قرار ہے

تپاں۔ منشی سید ابرار حسین تپاں شاگرد منشی بشیر حسین نسیم بھرتپوری ۔ طبیعت شوخ پائی ہے شعر مزیکا کہتے ہیں اور زبان اور بندش کا بھی خیال رکھتے ہیں فتحپور سیکری ضلع آگرہ کے رہنے والے ہیں ۔ اِن کے اشعار آمد سے خالی نہیں ہیں ۔ ولی کا رنگ اِن کے کلام میں پایا جاتا ہے ۔ ترتیب تذکرہ کے وقت کچھ کلام موصول ہوا اُسمیں سے کچھ اشعار منتخب ہوکر درج ہوئے ۔

عرضِ مطلب پہ وہ کہتے ہیں ابھی صبر کرو
چرخ سے ہے ہمیں شکوہ نہ رقیبوں سے گلا
ایک تم ہو کہ وفا پر بھی جفا کرتے ہو
بھولے بھالے ہیں حسیں جور و جفا کیا جانیں

ہائے کیا سہل سی تدبیر بتا دیتے ہیں
ہم تو بیٹھے ہوئے قسمت کو دعا دیتے ہیں
ایک ہم ہیں کہ ستم سہکے دعا دیتے ہیں
چاہنے والے ہی کمبخت سکھا دیتے ہیں

خلوت گزیں وہ رات سے دشمن کے گھر میں ہے
آساں نہیں ہے اُس بتِ بدخو کا سامنا
دونوں کی فکر رہتی ہے ہر حال میں مجھے
داغوں کی سیر دیکھئے پہلو میں بیٹھکر
سر مارتا ہے بادہ پرستوں سے رات دن
کہتا نہ تھا کہ غیر کی نیت پہ یوں نہ رو
اسی سے کرتے ہو اقرار وصل کا مجھسے
تم اپنے وصل کے ارماں بھی ساتھ لیجاؤ
ترے خیال سے واعظ یہاں تو پی نہ سکے
رنگے ہیں میرے لہو میں کسی نے اپنے ہات
ولمیں دل دشمن کے ڈالا دوستی کے واسطے

بیتاب میری آہ تلاشِ اثر میں ہے
قاصد کا سر ہتیلی پہ ہے خط کمر میں ہے
تم ہو جو میرے دلمیں تو دشمن نظر میں ہے
اک باغ سا کھلا ہوا میرے جگر میں ہے
شوریدگی کمال کی واعظ کے سر میں ہے
اب درد میرے سر میں ہے یا تیرے سر میں ہے
یہی زبان عدو کے دہن میں دی ہوگی
پرائے مال کی ہمسے نہ چوکسی ہوگی
خدا نے چاہا تو کوثر پہ ڈٹکے پی ہوگی
حنا بھی دیکھ کے دل میں بہت پسی ہوگی
جو نہ کرنا تھا کیا اُن کی خوشی کے واسطے

کاہشیں سی کاہشیں ہیں حسرتیں سی حسرتیں | لوگ کیوں مرتے ہیں ایسی زندگی کے واسطے

ہم سے اچھا ہے عدو؟ دیکھو خدا لگتی کہو | اپنا کیوں ایمان کھوتے ہو کسی کے واسطے

گواہِ خونِ عاشق اور کوئی تھا تمہیں کہہ دو | تمہاری آستیں محشر میں یا مری آستیں نکلی

شبِ غم تو بھی گھر جاتے ہوئے غیروں کے ڈرتی ہے | تجھے کمبخت ہم نے جب کبھی دیکھا نہیں نکلی

تپاں آنے میں آنا کیا جو وہ آئے دمِ آخر | تمنا میں تمنا کیا جو وقتِ واپسیں نکلی

تپش

تپش - مرزا محمد اسمٰعیل معروف بہ مرزا جان۔ ان کے والد مرزا یوسف بیگ دراصل بخارا کے رہنے والے تھے۔ مگر تپش کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی۔ نسبی سلسلہ سید جلال الدین جلال بخاری سے ملتا ہے۔ آپ طبقۂ دوم کے مشاہیر شعرا میں گذرے ہیں۔ بقول فیلن سنہ ۱۱[illegible]ھ آپ کا سال ولادت ہے۔ آپ کو فنِ سخن میں خواجہ میر درد سے تلمذ حاصل تھا۔ اور زبان سنسکرت میں بھی فی الجملہ مہارت حاصل تھی۔ ایک کتاب شمس البیان۔ مثنوی بہار دانش اور ہندی میں ضرب الامثال کی کتاب ان کی تصنیف سے مشہور ہیں۔ سپاہی پیشہ مرد اور مرزا جہاندار شاہ جواں بخت ولیعہد کی سرکار میں افسر ہو کر انکے ہمراہ بنارس بھی گئے تھے۔ شعر سے دلی عشق تھا۔ چنانچہ زبان میں صفائی۔ فصاحت اور مضمون کی تازگی کلام کا لطف بڑھاتی ہیں سنہ ۱۸۱۲ع میں کلکتے میں موجود تھے۔ انکی مثنوی بہار دانش کا انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے۔ کلام میں درد ہے اور چونکہ

لگ گیا پہلو سے پہلو متصل دکھتا رہا | رکھ دیا دکھنے سے جب پہلو تو دل دکھتا رہا

ہماری شمع نے دیکھی جو اشکباری رات | کٹی بچاری کو روتے ہی روتے ساری رات

سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا | یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمہاری رات

ترا وہ نامہ جو تھا ہم نے کر رکھا تعویذ | سو بعد مرگ ہوا وہ ہی قبر کا تعویذ

نہ تیغ چل سکی مجھ پر تو منفعل ہو کر | لگا یہ کہنے کوئی اس کے ہے بندھا تعویذ

آئے تو ہو کہیں سے آخر ملے دلے تم | کیا ہو جو پھر مرے بھی لگ جاؤ اب گلے تم

آواز میری سن کر غرفے سے جھک کے بولا | کس واسطے کھڑے ہو دیوار کے تلے تم

جیوں کہا میں دیکھیے میر اتجھ سوا کوئی نہیں
سُنتے ہی بولا کہ ہاں سچ ہے ترا کوئی نہیں

تم تو کہتے ہو کہ دم کے بعد آجاتا ہوں میں
پر خدا جانے ہمیں دم کا بھروسا کچھ نہیں

دشنام کا نہیں کبھی انعام کا نہیں
خود کام وہ مرا تو کسی کام کا نہیں

ساقی سے ہے دورِ مے ہے شبِ ماہتاب ہے
لیکن یہی غضب ہے کہ تو مستِ خواب ہے

رشک سے تیرے لعل گلگوں کے
غنچے پیاسے ہیں اپنے ہی خوں کے

کسکی طرف سے آج تپش تجکو پاس ہے
سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اداس ہے

مینے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تم سے التماس
کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے

[illegible]

ناز ہے انداز ہے ہر دم نئی اک آن ہے
دلربائی کا غرض تیار سب سامان ہے

شاعر اکثر آئینہ رو کہتے ہیں معشوق کو
لیکن آئینہ کو بھی دیکھا تو یاں حیران ہے

کبھی تو پانوں کی ٹھوکر سے تیرے آشنا ہوتے
اگر خوابیدہ کوچے میں ترے جیوں نقش پا ہوتے

ہمیں تو اشک کے قطرے کا بھی ہے تھامنا مشکل
بھلے وہ لوگ ہیں جنکے تئیں دل تھام آتا ہے

قطعہ

ہر طرف آج ہے بسنت کی دہوم
سیر میں ہے ہر اک تماشائی

کتنے گل رو جو ہیں بسنتی پوش
جی میں کھٹکے ہے جنکی رعنائی

کہتے ہیں آن کے مجھے ہنس ہنس
دیکھکر میری ناشکیبائی

ہو مبارک تمہیں جنون تپش
پھر نئی رُت نئی بہار آئی

تپش

تپش - دہلوی - منشی یوسف علی تپش دہلوی - شاگرد مرزا قادر بخش صابر - خوش مزاج خندہ پیشانی شخص تھے - مرزا صابر کے تذکرے کی ترتیب کیوقت (۱۸۵۲ء) دہلی میں موجود تھے یہ انکا کلام ہے

غصہ اُٹھا اُٹھا کے یوں ہی بار بار کا
اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

اک روز اے تپش کوئی آفت اُٹھائیگا
حسرت سے دیکھنا یہ اُدہر بار بار کا

اضطراب دل سے کہتے ہیں تپش نہ جانیں کیا
روز کے جھگڑوں سے چھوٹا مر گیا اچھا ہوا

سب طرح پھنس گیا ہے مصیبت میں ہمدمو
آتا ہے رحم اس دلِ ناکردہ کار پر

دل کھنچتی ہیں اور کسی کو خبر نہیں کوئی مرجائے یا کوئی تڑپے	کرتی ہیں کام تیری نگاہیں نقاب میں وہ تو خنجر گو آزما بیٹھے

تپش

تپش - منشی غلام محمد خاں تپش سابق اڈیٹر اودھ اخبار و مالک مشیر قیصر کئی برس تک نواب اکبر علی خان - والی پاٹودی کی مصاحبت میں رہے - پھر پندرہ بیس برس تک مختلف مقامات میں اقامت گزیں رہے - اردو فارسی میں ملکۂ راسخہ حاصل تھا - اخبار نویسی میں اچھا نام پایا تھا - شعر بھی خاصہ کہتے تھے - زبان شستہ بندش درست ہے - لکھنؤ میں عرصے تک اودھ اخبار اور مشیر قیصر کے اڈیٹر رہے - دہلی کی زبان کی حمایت میں اکثر مضامین لکھا کرتے تھے سنہ ۱۸۹۰ع کے قریب انتقال کیا - یہ چند شعر انکے نتائج افکار سے ہیں -

زاہد و ذکر خدا ہم کیا کریں	ہے بتوں کی یاد ہر دم کیا کریں
اپنے غم میں مر رہے ہیں آپ ہم	غیر کے مرنے کا ماتم کیا کریں
میرے مرنے کی خبر سنکر تپش	بولے وہ بیساختہ ہم کیا کریں
شکوۂ جور و ستم سنکے زباں سے میری	بولے وہ عشق میں جتنی ہو مصیبت اچھی
بھولکر مجلس رنداں میں نجانا واعظ	صحبت بد نہیں آدم کی بھی حضرت اچھی
ہمیں آب خنجر سے دیں گے وہ تسکین	اگر شکوۂ تشنہ کامی کریں گے
ہوئے ایک جلوہ میں بیہوش موسیٰ	تو کیا دعوئے ہمکلامی کریں گے

تپش

تپش - مولوی سید مددعلی خلف مولوی میر نجف علی جعفری سبزواری بسنہ ۱۸۱۹ع سال ولادت تھا اور سنہ ۱۸۶۹ع میں آگرہ میں بود و باش تھی - فن شعر میں پہلے حضرت نظیر کے صاحبزادے خلیفہ گلزار علی کو چند غزلیں دکھائیں پھر مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے - فارسی اور اردو دونو میں فکر کرتے تھے - شعر گوئی کا ملکہ اچھا تھا - اور صاحب استعداد تھے - خزینۃ القواعد - مجاربات ہند - جغرافیہ منظوم - کئی رسالے ان سے یادگار ہیں سنہ ۱۸۶۹ع کے مشاعرے کی غزل کے چند شعر حاضر ہیں -

کبھی ناداں بنے ہم گاہ فخر الاذکیا ٹھیرے
کبھی رندِ شرابی اور کبھی ہم پارسا ٹھیرے

گداتیرے کرم سے خسروِ حاجت روا ٹھیرے
تری دیوار کے سایہ تلے اگر ہما ٹھیرے

بسانِ دانہ تسبیح جس کو ہو سدا گردش
قضا کے ہاتھ پھر کیونکر نہ اُسکا فیصلا ٹھیرے

غم و درد و الم رنج و مصیبت ساتھ ہیں میرے
خدا جانے یہ کس منزل پہ جاکر قافلہ ٹھیرے

رہوں چپکا تو کہتے ہیں زباں کیا گنگ ہی تیری
کبھی کچھ بولتا ہوں تو وہ شکوہ اور گلہ ٹھیرے

تجلّی

تجلّی - دہلوی - میر حسین عرف میر حاجی دہلوی - پسر میر حسن کلیم - شاگرد و خواہرزادۂ حقیقی ملک الشعرا میر تقی مرحوم - لیلیٰ مجنوں کا قصہ اردو میں نظم کیا تھا - طبیعت ظریف اور نکتہ سنجی کیطرف مائل تھی اپنے زمانہ کے مشہور شعرا میں سے تھے زبان بھی شیریں ہے اور کلام میں مزا ہے اور کہیں کہیں حضرتِ میر کا پرتو آشکارا ہے - دہلی میں بیگم کے باغ واقعہ چاندنی چوک میں رہتے تھے - یہ اُنکا کلام ہے

مری وفا پہ تجھے روزِ شک تھا اے ظالم
یہ سر یہ تیغ ہے اب تو اعتبار آیا

یہ شوق دیکھو پسِ مرگ بھی تجلّی نے
کفن میں کھولدیں آنکھیں سُنا جو یار آیا

حال ہووے گا بھلا یا کہ بُرا ہووے گا
دل تو ہم دے چکے اب دیکھئے کیا ہوویگا

کر گلہ شکوہ کو موقوف میاں بس چُپ رہ
میں بھی بولونگا تو ناحق تو خفا ہوویگا

عشق میں تیرے تجلّی نے کیا ترکِ لباس
بے نوا وار سرِ راہ کھڑا ہووے گا

آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میر جاں
دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلّی کو عبث
وہ بچارا کبھی اس کوچے میں آیا نہ گیا

یہاں تک گریہ میں روئے سحر تک
گلی کوچے میں پانی ہے کمر تک

تر دامن آگیا جو ہیں روزِ حساب میں
کہنے لگے بٹھاؤ اِسے آفتاب میں

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی
ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی

ہم زیرِ خاک لیکے جو یہ چشمِ تر گئے
اندھے کنوئیں بھی جتنے تھے پانی سے بھر گئے

لوگ اُسکی تو جفاؤں کی خبر رکھتے نہیں
بیوفا مجکو ہی کم ملنے سے ٹھیرانے لگے

حال تیرا اُنسے کیا کہتا تجلی ہیں بھلا
وہ ابتو ہمیں بھول گئے ہیں یہ تجلی

وہ تو تیرے نام ہی کو سُنکے شرمانے لگے
جب ہم نہیں ہونگے بہت یاد کرینگے

تجلی

تجلی - تجلی علی شاہ ساکن حیدرآباد، نہایت نیک خصلت پاک طینت درویش مشرب تھے ۔

دامن کا کس کے عکس پڑا ہی کہ آجتک
پھیلا رہے ہیں سرو لب جوئبار ہات

تجلی

تجلی - منشی محمد افضل خلف مولوی رجب علی - قوم کے شیخ صدیقی اور سندیلہ ضلع ہردوئی کے قدیم متوطن تھے - لیکن انکے دادا مولوی محمد مکین ۱۸۰۵ء میں بہ تقریب ملازمت آگرہ آئے اور پھر یہیں سکونت اختیار کرلی - ان کے بھائی ڈپٹی مولوی سید محمد حسن فیروزآباد کے تحصیلدار تھے - فن شعر میں مرزا عنایت علی بیگ ماہ سے استفادہ کرتے تھے آپ خود ۱۸۶۱ء میں آگرہ کی منصفی میں سررشتہ دار تھے - ۱۸۴۵ء سال ولادت اور یہ کلام کا انتخاب ہے -

مریحاں آپ رُتبے میں مسیحا سے سوا ٹھیرے
خریدے نقد جاں دیکر زلیخا حسن کا سودا
پری تمثال ہو خورشید وش ہو ماہِ کامل ہو

تن بیجاں میں جان آئی سرہالیں جو آ ٹھیرے
جو شہر مصر میں جاکر مرا یوسف لقا ٹھیرے
میں کیا تمکو بتاؤں تم مری نظروں میں کیا ٹھیرے

تجلی

تجلی - للہ جی متخلص تجلی شاگرد منشی بینڈولال زار لکھنوی - واجد علیشاہ کے زمانہ کے شعرا لکھنؤ میں سے تھے - ۱۸۷۰ء تک حیات تھے - یہ اُنکا کلام ہے ۔

مختار ہے چاہے وہ مجھے دیکھے نہ دیکھے
مرجایئے کچھ کھاکے یہی دل سے لگی ہے
صورت اُسے دکھلا دے ذرا اُلفت ہے لیلیٰ
لے آئے گی اکروز اُسے میری طرف کو
موسیٰ کو نظر آیا تھا جس دشت میں جلوہ

آنکھ اپنی تو اُس رونق محفل سے لگی ہے
کیوں آنکھ مری اُس بت غافل سے لگی ہے
مجنوں کی نظر پردۂ محمل سے لگی ہے
شمشیر قضا قبضۂ قاتل سے لگی ہے
لو اپنی تجلی اُسی منزل سے لگی ہے

تجلی

تجلی - کنور شنکر دت صاحب دوبے بہادر تجلی - برادر راجہ جونپور - وسیم خیرآبادی سے اصلاح سخن لیتے ہیں - ۲۷ - ۲۶ برس کی عمر اور یہ کلام ہے -

مصحفِ رخ پہ لٹکتا ہے وہ گیسوئے سیاہ
بوسے قرآن کے لیتا ہے یہ ہندو ہو کر

کھیلتی ہیں تری آنکھیں دلِ عاشق کا شکار
صیدِ شیروں کو یہ کر لیتی ہیں آہو ہو کر

لبِ ہر زخم سے نکلی یہ صدا بسم اللہ
دل میں بیٹھا جو ترا تیر ترازو ہو کر

کبھی آتا تو ہے تو اسکی عیادت کیلئے
یہ برا بھی ترے بیمار کا حال اچھا ہے

تصویر ہے گھٹا مری چشمِ پرآب کی
تجلی سے ہے ایک موت سے اضطراب کی

وہ مستِ ناز ہاتھ سے اپنے جو مے پلائے
پھر کس کو سوجھتی ہے [illegible]

تجلّی

تجلّی ۔ منشی سید منتخب الدین ۔ شاگرد مرزا ضیا گورگانی و حضرت داغ پہلے خار تخلص کرتے تھے ۳۴ ۳۵ برس کی عمر ہے ۔ اور کلام صاف ہے ۔ زبان اور بندش بھی قابلِ ستایش ہے ۔ معاملہ گوئی کا شوق ہے ۔ طبیعت اس فن سے مناسبت رکھتی ہے ۔ مشق جاری رہی تو امید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے

کلام ملاحظہ ہو ۔

سرخ ہو جایئں وشت کے کانٹے
جب مزا ہے برہنہ پائی کا

دیر سے زاہد میں کیوں جاتا وہاں
کیا حرم میں ہی خدا کا نور تھا

تارِ نظر سے دل کا ہوا ہے چارہ گر رفو
ہے زخم میرے دل پہ کسی کی نگاہ کا

خواہاں ہیں آپ دل کے تو حاضر ہے لیجئے
اس شرط پر کہ قول ہو پہلے نباہ کا

کیا بدحواس آئے ہو تم دلکو تھام کر
دیکھا اثر ستائے ہوئے دل کی آہ کا

شیخ کل میکدہ میں بیٹھا تھا
آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

جو تمہاری جفایئں سہتا تھا
وہ مرا دل مرا کلیجہ تھا

دیکھکر اسکو کیوں تڑپتا تھا
اے دلِ مبتلا بتا کیا تھا

میں تو دل اپنا مفت دیتا تھا
کیوں نہ تمنے لیا برا کیا تھا

دشمن بنا ہے جال کا میری وہ ہائے ہائے
اپنوں کو جس کے واسطے بیگانہ کر دیا

حضرتِ دل زلف میں پھنسکر نکلنے کا خیال
توبہ توبہ ہے بہت مشکل رہائی آپ کی

[illegible]

شوخی غضب ہے قہر ہیں انداز یار کے — خواہاں کبھی ہیں وہ لگے کبھی جانِ زار کے

تجمل

تجمل - محمد عظیم بیگ - لکھنؤ میں رہتے تھے یہ حضرت جرأت کے شاگردی سے نامور تھے - ظریف اور شوخ طبع شخص تھے - یہ شعر انکے ہیں -

سمجھنا سخت مشکل ہے مری شیریں مقالی کا — کوئی خسرو سے پوچھے لطف اس مضمون عالی کا

مزے کہاں سے اُٹھیں عیش زندگانی کے — وہ ولولے نہ رہے عہدِ نوجوانی کے

کتابِ قصہ و فرہاد و دفترِ مجنوں — یہ دو ورق ہیں مری عشق کی کہانی کے

تجمل

تجمل - کسی لکھنؤ کے خوش فکر کا تخلص ہے جو قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی تیاری کیوقت وہاں بہ اطمینان زندگی بسر کرتے تھے - کلام سے زبان کی صفائی اور خوش گوئی ظاہر ہے کیا خوب کہتے ہیں

چلے سیرِ باغ کو وہ کوئی جسے رنج و غم سے فراغ ہو — اُسے لالہ زار سے کام کیا جسے سینہ اپنا ہی باغ ہو

شبِ ماہتاب میں ساقیا لبِ آبجوئے رواں نکل — عجب اک بہار ہو گر تجھے سرِ ذوقِ شربِ ایاغ ہو

گل داغ داغ سے ہجر کے مرا سینہ رشکِ بہار ہے — ذرا تو بھی آن کے سیر کر جو ہوائے گلشن و باغ ہو

یہ وہ عشق خانہ خراب ہے کہ زمیں پہ اہلِ غرور کو — کوئی دن میں خاک نشیں کرے اگر آسمانپہ دماغ ہو

نکرا سے تجمل خوش سخن کسی خوشنوا سے برابری — نہیں خوب بلبلِ خوش نوا جو چمن میں ہمسرِ زاغ ہو

تجمل

تجمل - حکیم تجمل رسول خاں تجمل - خلف ممتاز الدولہ نواب غلام رسول خاں دہلوی شاگرد آغا جان عیش - ایک دیوان اور قصہ طوطا مینا اور چند رسائل ان سے یادگار ہیں مہاراجہ ہندو راؤ رئیس گوالیار مقیم دہلی کی سرکار میں بزمرۂ اطبا ملازم تھے - اکثر خطوط بہت عمدہ لکھتے تھے - اس فن کو خاص محمد امیر پنجکش سے حاصل کیا تھا - سنہ ۱۲۹۲ھ میں بعمر پچاس سال انتقال کیا - یہ کلام کا نمونہ ہے -

رکھتا رہے گا طاق پہ اعجازِ عیسوی — کشتہ ترے ستم کا جلایا نجائے گا

منظور ناصحا تری ساری نصیحتیں — پر اسکا دھیان دل سے بھلایا نجائیگا

مطلب ہزار دل میں ہیں پر اُسکے روبرو — سچ تو یہ ہے کہ لب بھی ہلایا نجائیگا

قطعہ

عیسیٰ رخ بد کیش کو کیا کوسوں کہ چھوڑی اسنے — وہ نزاکت بھرے انسان وہ اہلِ تمکین

قطعہ — از فغان دہلی

خوں رُلایا انھیں جلّادِ فلک نے کیا کیا　　وہم سے کرتے نہ جو ہاتھ حنا سے رنگیں
سوسو اٹکھیلی سے چلتی تھی جہاں بادِ نسیم　　بادِ صرصر کا بھی دیکھا تو نہ تھا نام کہیں
آشیانے ہیں وہاں زاغ و زغن کے صدہا　　تھے جہاں سینکڑوں طاؤس ہزاروں شاہیں
ہفت اقلیم میں یاں اس شہر کی تھی دہاک بڑی　　کوئی دنیا میں نہ تھا شہر بسانِ دہلی
ہر گلی کوچہ تھا اس شہر کا صد رشکِ ارم　　غیرتِ خلد تھا ہر ایک مکانِ دہلی
ہائے رے حبِّ وطن صدمے اٹھائے کیا کیا　　آپ بھی آن بسے لوگ میانِ دہلی
چشمِ نمناک دل افسردہ و صد پارہ جگر　　بیٹھے اس طرح سے ہیں غمزدگانِ دہلی
اور مت آگ لگا شمعِ خیالِ جاناں　　خود جلے بیٹھے ہیں دل سوختگانِ دہلی
ڈھونڈتی پھرتی ہیں آنکھیں ہر جا　　کیا ہوئے اہلِ کمالِ دہلی

تجمل

تجمل - حکیم تجمل حسین خاں ابن عبدالعلی عظیم آبادی۔ محکمہ ڈاکٹری کے ہاسپٹل اسسٹنٹ ہیں دو دیوان ان کے آگرہ میں چھپے ہیں وہ نظر سے گذرے۔ طبیعت تشبیہ و استعارہ کیطرف مائل ہے اور اس رنگ میں خاصہ کہتے ہیں۔ چند شعر انتخاب ہوکر درج تذکرہ ہوئے۔

بیاں مخلوق سے کب ہو سکے خالق کی قدرت کا　　جو خود مصنوع ہو وہ کہہ سکے کیا راز صنعت کا
ہوئے کونین اک کُن سے تماشا ہے یہ قدرت کا　　خدائی میں تری خالق کسے ہے دخل حجت کا
جدا کب کُل سے ہے جزو جز سے کب کُل ہے جدا یارو　　عجب بیفائدہ جھگڑا ہے ہندو اور مسلماں کا
یارب نہ ہم سے پوچھ تو اپنے کرم کو دیکھ　　غیر از سکوت کیا ہے گنہگار کا جواب
گردنِ تسلیم رکھدی جھک کے مقتل میں دلا　　یاس کی تیغِ نگہ کا امتحاں ہونے کو ہے

تجمل

تجمل - ڈپٹی سید تجمل حسین خاں صاحب رئیس فیض آباد و گونڈہ۔ آپ کو حضرت اسیر لکھنوی کے بڑے صاحبزادے جناب سید غضنفر علیخان بہادر صولت جنگ متخلص بہ حکیم سے تلمذ رہا۔ موزوں طبع شاعر اور اچھے مشاق ہیں۔ زبان اور بندش بھی صاف ہے مگر درد ذرا کم ہے۔ آپ کا مطبوعہ دیوان نظر سے گذرا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم و بیش جملہ اصناف سخن

میں آپ کو دسترس حاصل ہے۔ آپ عرصہ تک نواب گنج میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔ اب پنشن لیلی ہے۔ مطبوعہ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

خلیل اللہ کو نمرود نے چاہا جلا ڈالے / گلستاں بن گئی آتش ہوئے گل نار سے پیدا

وہ آدم ہی ہے بعد مرگ بھی جو عشق رکھتا ہو / نہیں جلتا ہے شمعِ مردہ پر محفل میں پروانہ

دیکھکر سینۂ صد چاک کو ظالم رویا / داغ جب عشق کا اُسکے مرے دل پر نکلا

دولتِ دنیا کی عجب ہے ہوس / قبر میں جب ہاتھ خالی جائیگا

نہیں علم و ہنر جسمیں بہائم سے وہ بدتر ہے / وہی انساں ہے دنیا میں جسے کچھ بھی کمال آیا

کہے گا مسیحا نہ کوئی جہاں میں / نہ بیمار کی گر دوا کیجئے گا

ہو گیا آرام ہمکو رنج رخصت ہو گیا / موت کا آنا شبِ فرقت غنیمت ہو گیا

بتوں کے در پہ کئے سجدے سارے عالم نے / صنم کدہ تھا مگر کعبے کا جواب رہا

آنکھ کھلتے ہی ملا کنجِ قفس اے صیاد / پوچھتا کیا ہے کہ کب تجھسے گلستاں چھوٹا

دامنِ دشت سے منہ ڈھانپکے کانٹے روئے / مرکے مجھ آبلہ پا سے جو بیاباں چھوٹا

دل دے چکے تھے جان بھی اب نذرِ یار کی / کہنے سے فائدہ نہیں جو کچھ دیا دیا

اے دلِ بیقرار کیا کہنا / برق ہے شرمسار کیا کہنا

بشر اسکو کہنا مناسب نہیں / نہ ہو جس سے دنیا میں کارِ ثواب

زباں ایک احسان لاکھوں ترے / کروں شکر یا رب ادا کس طرح

ہیں رن میں قاتل کے اور تیور ستیاں ہے سینے میں قلب مضطر
مہم ہو کس طرح دیکھئے سر کا ہے قاتل کھنچا ہے خنجر

مفلسی اپنے کو بیگانہ بنا دیتی ہے / پوچھتا کون ہے ان کو جو ہیں نادار عزیز

ملا ہے خونِ عاشق کا جو اپنے دستِ رنگیں میں / ذرا کئے قصاص اسکا نہیں کیا آپکے دیں میں

کہتا ہے وہ مسیح ہے عالم مرا ہوا / میں ایک جا کے مُردے جلاؤں کہاں کہاں

فغاں سے عرشِ معلیٰ ہلا دیا کس نے — یہ نعرہ کس کا ہے اے دل بتا دے تو تو نہیں

حیراں ہیں سب کہ بول رہا ہے بدن میں کون — کھلتا نہیں کسی پہ یہ راز اس پیرہن میں کون

یہ کیوں آپ تیغ و سپر باندھتے ہیں — یہ کس بیگنہ پر کمر باندھتے ہیں

یونہیں وعدہ کیا کرتی ہیں آتی ہیں نہ جاتی ہیں — نہ میرے گھر وہ آتے ہیں نہ اپنے گھر بلاتے ہیں

غضب کی بیقراری ہے کہ اس پر بھی نہیں تھمتا — دلِ بیتاب کو ہم دونو ہاتھوں سے دبائے ہیں

پڑتا اگر نہ عکس رُخِ یار رات دن — ہوتی نہ روشنی کبھی خورشید و ماہ میں

اللہ ہو گئی ہے جوانی کی شام صبح — لیکن شبِ فراق کی پیدا سحر نہیں

شوق کے معنی یہ ہیں گو وہ نہیں لکھتا جواب — خط ہزاروں جا چکے پھر نامہ بر جانیکو ہے

ہوں قائل ظاہری اسلام کے کیا اہلِ بتخانہ — خدا کے گھر میں رہکر شیخ محوِ بت پرستی ہے

تری فرقت میں ایسی نیند عاشق کی اچٹتی ہے — نہیں کاٹے کسی صورت سے کالی رات کٹتی ہے

مرقد پہ کیوں نہ پاؤں سے ٹھوکر لگا گئے — قُم کہکے کیوں نہ مجھکو مسیحا جلا گئے

کیا بیکسی کا وقت ہے اللہ کی پناہ — مُردے کو زندے لاکے لحد میں لٹا گئے

گلے سے اپنے اے مہرو لگا کر — یہ سارے داغ سینے کے مٹا دے

کس لئے ہو گئے خفا مجھ سے — بولتے کیوں نہیں بھلا مجھ سے

ہمارے دلمیں ایسی اندنوں وحشت سمائی ہے — کہ چھینیں نجد مجنوں ذہن میں یہ بات آئی ہے

آئی ہے پھر بہار چمن سب ہرے ہوئے — ہر شاخِ گل ہے پھولوں نے دامن بھرے ہوئے

چلیں گے کوچۂ جاناں میں شام ہونے دو — ابھی سے حضرتِ دل بیقرار ہونے لگے

عشق میں تیرے ہم تو مرتے ہیں — تجھکو اسکی خبر نہیں نہ سہی

تجمل

تجمل ۔ سید تجمل حسین صاحب بریلوی شاگرد میر سعادت علی صاحب عیش ۔ کہنہ مشق شاعر تھے بندش اور زبان اچھی ہے ۔ عرصہ ہوا انتقال کیا ۔ بریلی کے مشاعرے کی غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں ؎

زندگانی ہوگئی دشوار ہجرِ یار میں
روتے روتے پڑ گئے ناسور چشمِ زار میں

شاخِ گل کی ہوئیں تختے دامنِ گل کا کفن
دفن بلبل اُس روش سے چاہئے گلزار میں

یہ مہینہ بھی نہ جائے یار خالی قتل سے
ماہِ نو تم دیکھکر منھ دیکھ لو تلوار میں

کس سہی قد کی ہے آمد باغ میں جو بلبلیں
شاخِ گل پر چھپ رہیں پھول سے منقار میں

عشق نے خود رفتہ اُسکو رفتہ رفتہ کر دیا
جو کہ تھا پردہ نشیں پھرتا ہے وہ بازار میں

تجمل

تجمل - منشی میر تجمل حسین تجمل - اُستاد اور بڑے قابل - ذکی اور طبیعت دار آدمی ہیں - ۳۰-۳۵ برس سے آپ محمود آباد میں ریاست کے وظیفہ خوار ہیں - آنریبل راجہ سر امیر حسن خانصاحب مرحوم رئیس محمود آباد اپنے کلام میں آپ سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے - اکثر شعرائے گرامی کے روشناس ہیں اور خود بھی اچھے مشاق ہیں - سن شریف اب ۶۲-۶۳ برس سے زائد ہے - اور یہ کلام کا انتخاب ہے - اوائل مشقِ سخن میں آپنے خواجہ آتش کے شاگرد محمد عباس سلیم کو چند غزلیں دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد نواب امجد حسین خاں جوش

آئینہ روبرو ترے آٹھوں پہر نہ تھا
خود بینی کا رواج کبھی پیشتر نہ تھا

صبح شبِ وصال قیامت کی صبح تھی
کم صور سے وہ نالۂ مرغِ سحر نہ تھا

قتل بے تیغ ہوئے دیکھی جو ابرو کی طرح
چبھ گئی دلمیں مژہ تیر پہ پہلو کی طرح

پہلوئے یار سے اُٹھنے کو تو اُٹھے لیکن
درد کیطرح اُٹھے - گر پڑے آنسو کی طرح

لحاظ شرط ہے پست و بلند عالم کا
زمیں پہ رہ کے اُٹھا سر نہ آسماں کیطرح

مقرِ گناہ کے اے کردگار ہم بھی ہیں
غفور تو ہے تو امیدوار ہم بھی ہیں

جو آج جائزہ لیتا ہے جاں نثاروں کا
ہمارا نام بھی لے کر پکار ہم بھی ہیں

فلک پہ برق کو تنہا نہیں ہے بیتابی
زمیں پہ ہجر میں اک بیقرار ہم بھی ہیں

سوئے رقیب کرم کی نظر نہیں چھپتی
میں دیکھتا ہوں چھپاتے ہو پر نہیں چھپتی

کلام شاعرِ بے علم چھپ نہیں سکتا
صفیر بلبلِ بے بال و پر نہیں چھپتی

رقیب سے نہ ملے تھے تو کل یہ شور تھی
ہزار آج چھپاؤ مگر نہیں چھپتی

ہزار اپنی خطا کو چھپائے بندہ پر — خدا سے اے بت بیداد گر نہیں چھپتی

برا اب ہجر کے حق میں لب آمہرو نکلتا ہے — نہ تن سے جان نکلتی ہے نہ دل سے تو نکلتا ہے

مری تقدیر کی ذلت بھلا وہ کیا مٹائیں گے — جو دل لیتے تم بھی کہتے تھے زباں سے تو نکلتا ہے

ترے چہرہ کی رنگت رنگ گل سے کچھ فزوں ہوگی — ذرا شمشاد سے کچھ قامت دلجو نکلتا ہے

خدا اچھوں کے باعث کار مشکل سہل کرتا ہے — محبت میں گلوں کے دم برنگ بو نکلتا ہے

جگہ دینے پہ ہے پہلو میں اپنے عشق خوباں کو — ہمارے دل کی باتوں نے برا پہلو نکلتا ہے

مصیبت حد سے جب گذری تو ظاہر ہو نہیں سکتا — بہت غم میں۔ بہت کم آنکھ سے آنسو نکلتا ہے

تجمل تیرے دل نے کچھ کہیں صدمہ اٹھایا ہے — ترے ہر شعر سے اک درد کا پہلو نکلتا ہے

سمجھے تھے مسیحائے بیمار تپ ہجر — واں فضل الٰہی سے دوا بھی نہیں آتی

غسّالے کی راحت کو لحد والوں سے پوچھو — اس گھر میں ہے جب گھر میں ہوا بھی نہیں آتی

تجمل حاجی تجمل حسین جلال پوری آپ کو حافظ نثار احمد صاحب تائب شاہجہانپوری سے تلمذ ہے۔ عرصہ دراز سے بمبئی میں سکونت پذیر اور مطبع کریمی میں ملازم ہیں۔ بیحد پُرگو ہیں بمبئی میں آپکے شاگرد بھی بکثرت ہیں دو دیوان شایع کرچکے ہیں۔ راقم تذکرہ سے بمبئی میں ملاقات ہوئی تھی۔ منکسر المزاج اور خلیق شخص ہیں۔ ۴۲-۴۳ برس کی عمر اور یہ کلام کا نمونہ ہے

شاد لانی یہ مرے دلکو خبر دیتی ہے — نامہ بر آتا ہے پیغام خوشی کا لے کر

ہنجاتی سے کیا کیا دل مضطر یہ ہمارے — جاتے ہیں کبھی وہ جو برابر سے نکلکر

اس مست ناز کو جو کہیں دیکھ پائے دل — محشر میں ایک اور نہ محشر اٹھائے دل

اٹھ کے اب کے روانہ ہوں سوئے منزل قبر — طاقت اتنی بھی نہیں اب ترے بیماروں میں

مجمع اغیار بہت رہتے ہیں اس کوچے میں — چن دیئے جائیں کہیں روزنہ دیواروں میں

سو گئے حشر کے دن اہل عبادت محروم — خوان رحمت ہوئے تقسیم گنہگاروں میں

گھر میں چھپ چھپ کے تجمل وہ پیا کرتے ہیں — زہد کی لیتے ہیں جو بیٹھکے میخواروں میں۔

کسکا جادو چل گیا کس پر بتاؤ تو سہی
تم فسوں گر ہو زیادہ یا فسوں گر آئینہ

پہنچے کعبہ میں کبھی تو کبھی بتخانہ میں
تیرے ملنے کیلئے ہمنے کیا کیا کیا کچھ

صورتِ حرفِ غلط مٹ چکے اے بخت مگر
نہیں معلوم کہ ہے اور لکھا کیا کیا کچھ

نہ ساقی رُکے گردشِ جامِ مے
کٹے عمر پیتے پلاتے ہوئے

وا ورِ محشر نے بھی مجرم ٹھیرایا اُسے
ہائے یاں بھی بات اس ظالم کی من مانی ہوئی

تمکو دل بے آزمائے بندہ پرور دیدیا
ہاں ہمیں چوکے ہمیں سے سخت نادانی ہوئی

ہائے کیا فتنۂ محشر کو کریں گے بیدار
اپنی سوتی ہوئی قسمت تو جگائی نہ گئی

اپنا عالم ہی جدا ہے عشق میں
اپنی حوریں اپنی جنت اور ہے

سارے جہاں سے اے بت کافر چھڑا دیا
ملکر تری نگاہ نے میری نگاہ سے

دل صدپارہ کیوں پھوٹی ہوئی قسمت اٹھا لائی
بھلا کس کام کی ہے یہ نکمی چیز کیا لائی

نہ اُٹھتے کشتۂ تیغِ تغافل خوابِ مرقد سے
نہ آتے سوئے محشر تیرے گھونگرو کی صدا لائی

جمال اُس برق وش کا اے نظر تو دیکھ سکتی تھی
دکھا لائے تجھے ہم یا کہ تو ہمکو دکھا لائی

نہ پوچھو میرے آنیکا سبب کچھ اپنی محفل میں
جو خوش ہو آپ آئے ہم جو ناخوش ہو قضا لائی

عجب عالم میں ہیں ہم کس سے پوچھیں کون بتلائے
کہاں آئے کہاں ہمکو تلاشِ دلربا لائی

تحسین

تحسین ۔ علی مولا خاں باشندہ شاہجہانپور ۱۸۵۲ء میں انکا عنوانِ شباب تھا۔ وجیہ اور خوبرو جوان تھے۔ اور دہلی میں رہتے تھے۔ مزاج میں ظرافت اور طبیعت میں بیحد شوخی تھی صرف ایک شعر ملا ماحسن بدل معلوم ہوا اسلئے درج کیا گیا ہے

کیا لکھیں اور ذرا غور کریں آپ اسے
ڈرتے ڈرتے یہ لکھا ہے کہ پڑھیں آپ اسے

تحسین

تحسین ۔ منشی محمد حسین خاں تحسین مالک مطبع مصطفائی۔ دہلی غدر سے پہلے انکا چھاپہ خانہ دہلی میں بہت مشہور تھا۔ غدر کے بعد میرٹھ میں مطبع احمدی جاری کیا۔ فن سخن میں حضرت ذوق سے فیض پایا تھا۔ نہایت خلیق۔ بامروت اور کارگذار شخص تھے۔ انکے مطبع کی چھپی ہوئی کتابیں نہایت شوق

سے خریدی جاتی تھیں۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ اشعارِ ذیل اُنہیں کے نتایجِ افکار سے ہیں ؎

آزار ہوا اسکو مگر عشقِ بتاں کا
بے طور سے ہے نقشہ دلِ بیتاب و تواں کا

جب بت سے نہ راضی ہوں تو بتخانہ میں کیا کام
تحسین چلو کعبہ کو جھگڑا ہے کہاں کا

اے دل تو عشق کیجو مگر دیکھ بھال کے
غافل کو چاہیئے کہ کرے فکر دور کا

کوئی کیوں کر بچائے جاں ہمدم
ایک خنجر گذار ہیں آنکھیں

لب کی خوبی ہیں کیا سخن ہے پر
فتنۂ روزگار ہیں آنکھیں

صیاد اسطرح جو نہ گرم عتاب ہو
کیوں آشیاں چمن میں ہمارا خراب ہو

تحسین ان کو دیکھنے جاتے تو ہو مگر
ایسا نہو کہ جاں کو وہی پھر عذاب ہو

خیالِ بتاں دل میں رکھتے ہو تحسیں
مگر تم بھی رُسوا ہوا چاہتے ہو

ہوئے ذلیل تو عزت کی جستجو کیا ہے
کیا جو عشق تو پھر پاسِ آبرو کیا ہے

یار کہوے کہ اُٹھ یہ وہ دے
دل یہ کہوے یہیں رہا کیجیے

تحصیل۔ منشی محمد کبیر صاحب تحصیل ساکن ترڑھگڑہ ریاست میسور شاگرد حضرتِ داغ۔ موجودہ زمانہ کے موزوں طبع شعرا میں ہیں۔ اور خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ اکثر رسالوں اور اخباروں میں انکا کلام شایع ہوتا رہتا ہے۔ ۴۰ برس کے قریب عمر ہے۔ کلام بھم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ؎

کیا لڑکپن کہوں میں قاتل کا
کھیل سمجھا تڑپنا بسمل کا

آزادی ہو نصیب کہاں اہلِ طمع کو
چھوٹے کبھی نہ قیدیِ دامِ بلائے حرص

ہے چراغِ حسن پر کس ماہ کے پروانہ شمع
رات بھر جلتی ہر اور گلتی ہر بیتابانہ شمع

کہو تھی کونسی وہ بات ایسی جو
نہ نکلی منہ سے جو آکر زباں تک

مریضِ عشق کو مرنا شفا ہے
ملا دو زہر کچھ میری دوا میں

مریضِ عشق کو آرام کب ہو ان طبیبوں سے
کہ اُسکا تو مرض تم ہو دوا تم ہو شفا تم ہو

لالے کی طرح دل نہ کوئی داغدار ہو	یا رب یہ گل کسی کے گلے کا نہ ہار ہو

تحیرؔ

تحیرؔ - مرزا محمد بیگ ولد مرزا رستم بیگ خراسانی مقیم لکھنؤ - آپ کو میر امداد علی بحر سے تلمذ تھا - کلکتے بھی بطریق سیر گئے تھے - یہ انکا کلام ہے ؎

شکار مرگ ہوئی ہے فراقِ یار میں روح	پھڑک رہی ہے بہت دامِ انتظار میں روح
لگا کے تیر مجھے بوٹے گل نے صید کیا	رہی خزاں میں سلامت گئی بہار میں روح
کیا ہے عشق نے مجبور سر بسر مجھکو	نہ اختیار میں دل ہے نہ اختیار میں روح
میں تڑپتا ہوں ادھر اسکو خبر کچھ بھی نہیں	بد نصیبوں کی محبت میں اثر کچھ بھی نہیں
سینکڑوں ذبح ہوئے سینکڑوں مر کر چھوٹے	ہم اسیروں کی رہائی کی خبر کچھ بھی نہیں
مجھ خزاں دیدہ کے بیگانہ مزاجی دیکھو	کب بہار آئی گئی مجھکو خبر کچھ بھی نہیں
نیست نابود تحیر نظر آیا عالم	ہم ادھر سیر کو نکلے کہ جدھر کچھ بھی نہیں

تحیرؔ

تحیرؔ - غلام مصطفٰے خلف مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی - ان کے خاندان کی بزرگی اور سبب شہرت محتاج بیان نہیں - جناب تحیر مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ کے بھتیجے اور حکیم ثناء اللہ خاں فراق کے شاگرد تھے - مگر اپنے خاندانی ورثہ یعنی علم و فضل سے محروم رہے - اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ رکھتے تھے - موزونی طبع کی مدد سے کبھی کبھی فکرِ سخن کیا کرتے تھے چنانچہ یہ شعر اُن کے ہیں -

عید کے دن مجھے کہنے یہ ہر اک یار لگا	ہو مبارک تری چھاتی سے وہ دلدار لگا
جُدا اب مجھسے جب وہ دل آرام ہوگا	اجل کا اُسی وقت پیغام ہوگا
فکر اطفال کو ہے سنگ اُٹھا لائینگے	آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانہ کی

تدبیر

تدبیر - شیخ محب اللہ ساکن دیوبند مرد خلیق و خوش مزاج تھے - غدر سے پیشتر کسی تقریب سے دہلی آئے اور یہیں کے ہو رہے زیادہ حال معلوم نہیں -

اور ہی کچھ ڈھنگ ہے اپنی گرفتاری کا ہائے	یوں تو زلفوں میں تری کس کس کا دل اُلجھا نہیں

تدبیر

تدبیر۔ دہلوی۔ مرزا محمد سکندر قدر ابن میرزا خورشید قدر قیصر گورگانی نبیرۂ شاہ عالم ثانی لکھنؤ میں مقیم تھے۔ یہ انکے اشعار ہیں۔

دل ہو تو کچھ بیان کریں ماجرائے دل
معلوم ہی نہیں کہ کہاں بھول آئے دل

دل مت کو بھی خدا نے دیا ہے بتو ڈرو
بے دردیو لئے تم نہ دکھاؤ پرائے دل

دل سوز جانتا ہے اُسی شمع رُو کو ہم
پروانہ وار جس نے ہزاروں جلائے دل

راحت سے کام کچھ نہیں میں ریخ دوست ہوں
پہلو میں رکھدو سنگِ جراحت بجائے دل

شکوہ جفا کا سُن کے یہ کہتے ہیں ناز سے
کچھ دل لگی نہیں جو کسی سے لگائے دل

تراب

تراب۔ نواب حشمت الدولہ افتخار الملک مرزا ابو تراب خاں متخلص بہ تراب۔ آپ نواب مرزا ابو طالب خاں کے صاحبزادے اور حضرت محمد علی شاہ اودھ کے داماد تھے۔ فکرِ رسا کی امداد سے صاحبِ دیوان تھے۔ مگر ہمیں صرف دو شعر دستیاب ہوئے۔

اُڑا کے لیگئی اکبار کوئے قاتل میں
ہماری جان کی دشمن ہوئی ہوا دل کی

ہیں لوگ قصۂ فرہاد و قیس بھول گئے
کہانی ہوتی ہے اب میری جابجا دل کی

تراب

تراب۔ شاہ تراب علی مرحوم ولد شاہ کاظم مغفور سجادہ نشین درگاہ قصبہ کاکوری۔ بڑے خدا پرست درویش حق آگاہ تھے۔ ان کا کلیات چھپ گیا ہے ایک مثنوی مسمیٰ عاشق و صنم بھی انکی تصنیف سے یادگار ہے۔ تراب مرحوم کا کلام معرفت سے پُر اور نہایت دردانگیز ہے انکی اکثر ٹھمریاں مشہور ہیں۔ کہنہ مشق شاعر تھے۔ کلام میں سنجیدگی اور متانت بہت ہے اکثر اخلاقی مضامین نہایت نفاست سے باندھا کرتے تھے سنہ ۱۲۷۲ھ میں انتقال کیا۔

کاکُل کہ چند موئے پریشاں کا نام ہے
دل کے لئے خدا نے اُسے دام کر دیا

کوئی اس نا آشنا سے آشنائی کیا کرے
آشنا سے اپنے جو نا آشنائی کر گیا

ہم نہیں کرنے کے اسکی خیر خواہی میں قصور
کیا ہوا گر ہم سے وہ ظالم بُرائی کر گیا

وصف اُسکا ہیں کیا کہوں ناصح
وہ تو کچھ ہے بیان سے باہر

چمن میں جب میں اس گلفام کے ساتھ — قطعہ — گیا جوں باد صرصر بے تکلف
کہا یار نے مجھے تیری ہی بدولت — ہوئی بہشت میسر بے تکلف

یار و صورت میں نظر باز حقیقت کم ہیں — آنکھ والے ہیں بہت اہل بصیرت کم ہیں

یہ کہتا ہے جرس اپنی زباں میں — مسافر ہیں سبھی اس کارواں میں

ہمارے یار کے دو ہی پتے ہیں — کمر پتلی صراحی دار گردن

مجھے یار سے اب یہی گفتگو ہے — جو تو ہے سو میں ہوں جو میں ہوں سو تو ہے

اُسے کیا درد ہے گر صید بسمل آہ کرتا ہے — جو صید دو ہی سے وقتِ ذبح بسم اللہ کرتا ہے

بہت امید جنت پر بہت دوزخ کی دہشت سے — کوئی کمتر عبادت خالصاً للہ کرتا ہے

جی کسی پر کوئی فدا نکرے — دل کسو سے لگے خدا نکرے
عشق کا امتحان ہو کیونکر — گر کسی پر کوئی جفا نکرے

محمود ایاز ہو گیا ہے تو — کہا ناز نیاز ہو گیا ہے

بُتِ ظالم نہیں سنتا کسی کی — غریبوں کا خدا فریاد رس ہے
ولیں کارواں بانگِ جرس ہے — گواہِ دردِ دل اک نالہ بس ہے
عبث ہے آرزو دنیا و دیں کی — تراب اللہ بس باقی ہوس ہے

دیدار کی سن آنچ سبھی جل گئے تمام — پروانے جا کے شمع سے جب متصل ہوئے

وحدت کا پیا جام دوئی سے نرا کام — ہے ترک خودی نسبتِ تفرید ہماری

تیرے لطف و کرم سے اک جہاں معمور ہے پیارے — عجب ہے رہ گئے تیرے کرم سے ایک ہم خالی

موت سے یار وہی بے ڈر رہے — زندگی میں آپ سے جو مر رہے

ہم سے کیا کہتا ہے عشقِ خوبرویاں چھوڑ دے — شیخ تو ہی آرزوئے حور و غلماں چھوڑ دے

نیکی کرو کام آئے گی آخر کو نکوئی — ساتھ اپنے عمل ہونگے وہاں اور نکوئی

کعبہ و مسجد میں جاتے ہو بھلا جی کس لئے — وہ تو ہے دل میں تمہارے ڈھونڈتے پھرتے ہو تم جس لئے

ترحم - مرزا اکرم بخت گورگانی میرزا قیصر بخت فروغ خلف الرشید میرزا قادر بخش صابر گورگانی کے خلف اصغر اور جناب آثم کے برادر خورد ہیں - آپ کی ولادت شہر بنارس میں جہاں آپ کی ننھیال ہے واقع ہوئی اور وہیں ہوش سنبھالا - فارسی اُردو کے علاوہ زبان انگریزی میں بھی معقول دخل حاصل ہے - الغرض تعلیم یافتہ اور مہذب نوجوان ہیں شاعری اور زباندانی آپ کی میراث سمجھنا چاہیے - چند غزلیں اپنے والد نامدار کو دکھائی تھیں پھر اُن کے انتقال کے بعد سے بطور خود کہتے ہیں - ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام عنایت فرمایا اُس کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے اب (۱۹۰۸ء) میں آپ کی عمر ۳۴ و ۳۵ برس کے قریب ہے - اور بنارس محلہ شوالہ میں قیام ہے -

تمہیں سے ہے منور گھر نشاط و کامرانی کا ۔ تمہارا حسن ہے شعلہ چراغ زندگانی کا
دہن ہے چشمۂ حیواں اور اُسمیں میرا نام آیا ۔ دیا خلعت مجھے تمنے حیاتِ جاودانی کا
دُرِ خوش آب مضموں کیوں نہ ہاتھ آئیں ترحم کو ۔ کہ اُسکی فکر میں عالم ہے دریا کی روانی کا
سوزِ شب فرقت کا مداوا ہو ترحم ۔ ملجائے جو تھوڑا سا بھی کافور سحر آج

[illegible]

حسن میں حسن گر ہوا نہ کرے ۔ جان اپنی کوئی فدا نہ کرے
مجھ سے سیکھو اگر نظر بازی ۔ کبھی یہ تیر بھی خطا نہ کرے
جب کہا بیٹھے مرتا ہوں ۔ ہنس کے کہنے لگے خدا نہ کرے
ہوس و عشق میں تمیز نہو ۔ وہ جو عشاق پر جفا نہ کرے
اسے ترحم مجھے یہ وحشت ہے ۔ کہیں دشمن اُنھیں خفا نہ کرے

نگلی فلک نے شام کو اُگلی سحر کے وقت ۔ یہ پھبتی تمہیں ہے نانِ ثقیل آفتاب کی
یہ کان بھرنے کی عادت بری ہے غیروں کو ۔ شکایت اُن کو جو کرنی بھی برملا کرتے
کسی سے کچھ نہیں ہمنے کہا قسم لے لو ۔ زبان کٹتی اگر آپ کا گلہ کرتے
ہمیں کو خوف سے اعدا کی بدمزاجی کا ۔ اگر وہ مجھ سے بگڑتے تو میرا کیا کرتے

ترسان

ترساں - میاں بہادر علی - لکھنؤ کے ایک موزوں طبع سخنور تھے - ایک قدیم قلمی بیاض میں جو سوا سو برس کی لکھی ہوئی ہے کچھ کلام نظر سے گذرا - اُسکا انتخاب ضبط تحریر میں آیا - آصف الدولہ اور نواب سعادت علی خاں کا زمانہ پایا تھا اِس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ میر و میرزا کے ہم عصر ہوئے - سیدھی سادی زبان میں اچھے مضامین نظم کئے ہیں - اب کلام ملاحظہ ہو -

تاب و توان و ہوش و خرد سارے چل بسے
جس وقت میرے پاس سے وہ دلستاں اُٹھا

تیرے ہی بیٹھنے سے ہماری ہے زندگی
اُٹھ جائینگے جہان سے ہم تو جہاں اُٹھا

آج مجلس میں بہت ترساں کو دیکھا مضطرب
اُس فلک ماریکا شاید دل کہیں جاتا رہا

رات کس کا ذکر تھا ترساں کہ سُن سُنکر جیے
اشک سرخ آنکھوں میں تو ہر آن بھر لاتا رہا

کس لئے ترساں کو تری بزم میں روتے دیکھا
اُس پہ ناحق تجھے طوفان اُٹھانا کیا تھا

کیا کرے کوئی گلہ اُسکی ستم گاری کا
جس کا شیوہ ہو پراؤں[۵] کی دل آزاری کا

دیکھ کر آج مسیحا نے دیا مجکو جواب
اب معالج ہو خدا اِس تری بیماری کا

گھر میں جو بیٹھ گیا دیکھ کے تو ترساں کو
اُس سے تھا کونسا موجب تجھے بیزاری کا

اُسی کی سب بنے خاطر کی ہیں دکھ رویا جہاں جاکر
کوئی سر ٹیکے اپنا ہائے یارو اب کہاں جاکر

مرا دل اُس کی زلفوں میں ہوا گم آج اے ترساں
اندھیری رات ہے دو نو طرف ڈھونڈوں کدھر جاکر

ہم دردِ عظیم ہم دوا ہو
تم حضرتِ عشق بد بلا ہو

وہ جانے ہمارے غم کو ترساں
جس کا کہ کسی سے دل لگا ہو

دیا تھا آگے بھی دل لیکن آہ چھوٹ گئی
عنانِ صبر مرے اختیار سے اب کے

میں کہا کیا ہو جو گھر تک تو اُسے بیہوش چلے
سُن کے بولا کہ ترے گھر مری پاپوش چلے

ہمنشیں اُسکو مرے ساتھ یہاں تک ہے ضد
راہ میں دیکھے کبھی مجکو تو روپوش چلے

[۵] غیروں کی -

درد کہنے کو تو ہم آئے تھے ترساں لیکن — دیکھکر چیں بجبیں یار کو خاموش چلے

چاک گل کا پیرہن گلشن میں تھا کس کے لئے — صبح تک شبنم بھی روتی تھی صبا کس کے لئے

مر گیا ترسا ترہی دیوار کے سایہ تلے — تو نے کچھ جانا کہ اسنے جی دیا کس کے لئے

ترقی

ترقی - نواب اسد الدولہ رستم الملک مرزا محمد تقی خان بہادر مرحوم خلف سید محمد امین خاں باشندۂ نیشاپور مقیم فیض آباد، نواب شجاع الدولہ بہادر صوبۂ اودھ کے خاندان سے تھے اور میر مہدی سوز کے شاگرد تھے آپنے محفل مشاعرہ بھی قایم کی تھی - نہایت خوش کلام اور رنگین طبع امیر تھے - آپ کا اساتذۂ قدیم میں شمار ہے - متانت اور سنجیدگی کے پہلو بہ پہلو لطف زبان اور معاملہ بندی اپنا مزا دکھاتے ہیں - کلام میں درد اور دلکشی بھی موجود ہے - زبان صاف اور شیریں اور لطف محاورہ بھی اُس میں موجود ہے -
استعارات و تشبیہات سے کلام پاک ہے - آپ کا خاندان ابتک لکھنؤ میں موقر و معزز خیال کیا جاتا ہے - آغا ابو صاحب رئیس اعظم لکھنؤ آپ ہی کے خاندان میں ہیں -

گر ایک شب بھی وصل کی لذت نہ پائے دل — پھر مجھ سے کس اُمید پہ کوئی لگائے دل

بھولا تمہارے عشق میں دنیا و دین کو — جو چاہو اب کرو کہ یہی ہے سزائے دل

پہلو کل اُسنے چیرا جو دل کے لئے مرا — جز داغ حسرت اور نہ کچھ تھا بجائے دل

ترغیب دی ہے کس لئے کعبے کی تو نہیں — زاہد خدا کا گھر نہیں کوئی سوائے دِل

اُس کی گلی میں کون یہ بیدل ہوا ہے دفن — آواز متصل یہی آتی ہے ہائے دل

اک دل سبھی مدام ستانے کو چاہئے — تیرے لئے کہاں سے کوئی روز لائے دل

اُس کوئے میں جو بیٹھے ہیں مانند نقش پا — رکھتا ہے تب سے خاک میں ہمکو ملائے دل

لکھ دیویں ہم تو خط غلامی اُسے بجاں — جو عشق کی بلا سے ہمارا چھڑائے دِل

اُترا نہ آکے یہاں کوئی جز کاروان غم — ماتم سرا سے کم نہیں یارو سرائے دِل

دِن بھر تو اک نحیف سی آواز سنتے تھے — آتی نہیں ہے رات سے لیکن صدائے دل

کہتے ہیں درد مند ترقی کا حال دیکھ
یارب کبھو کسی پہ کسی کا نہ آئے دل

یوں تہ زلف نمودار وہ رخ ہوتا ہے
ابر سے آئے نظر جیسے قمر کا پہلو

کار گر دل میں کسی کے جو نہیں ہوتی ہر
چھٹ گیا آہ سے شاید کہ اثر کا پہلو

لا دوا زخم سمجھ پہلو تہی کرتا ہے
دیکھتا ہے مرا جراح جدھر کا پہلو

دل کو وہی بیکلی ہے تجھ بن
قبلہ ہو نہ کیجے منہ ادھر کو
دشمن پہ کرے نہ کوئی یہ ظلم
شرم آتی ہے کیا بیان کیجے
افسوس کہ خاک بھی ہماری
اب رو نہ زیادہ اے ترقی
اے ترقی بات جی کی جی میں رکھ
ساکنان کعبہ نے کی بت پرستی اختیار
جرم کچھ ٹھہرا کے قاتل پھر مجھے تو قتل کر
دیکھیے اب کس مسلماں کو کریگا قتل تو
آتش دل اشک سے سینہ میں بھڑکی اور بھی
دست گلچیں عندلیب کیجیے کیونکر قلم
ہے ترقی میرے اس سینہ میں وہ آتش نہاں

مرکر بھی چھٹے نہ تیرے غم سے
دل ٹوٹ گیا ہو جس صنم سے
مارا مجھے تو نے جس ستم سے
جو تو نے کیا سلوک ہم سے
محروم رہی ترے قدم سے
طوفاں اٹھے نہ چشم نم سے
منہ سے نکلی اور پرائی ہو چکی
وہ صنم نام خدا کیا اندنوں جوبن پہ ہے
بیگناہی میری ثابت دوست اور دشمن پہ ہے
آج غصہ بے طرح کافر تری چتون پہ ہے
اب تو آب چشم کو میری شرف روغن پہ ہے
آفت نو جسکے ہاتھوں سے سدا گلشن پہ ہے
طعنہ زن جسکا شرر ہر شعلہ گلخن پہ ہے

تو نے عاشق کی بھی کچھ اپنے خبر پائی ہے
جان دیتا ہے وہ اور خلق تماشائی ہے

اسنے تو دکھ یہ دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
پر مزا اسنے یہ پایا ہے کہ جی جانے ہے

لیجاتے ہے وہ روز نیا صید مار کے
لایق نہیں ہیں آہ مگر ہم شکار کے

اک عمر بعد آئی ہے اب زیر خاک نیند
تربت پہ میری رو و نہ یار و پکار کے

ویرانہ اب کے دیکھئے ہوتا ہے کون کون
آتے ہیں زور شور سے پھر دن بہار کے

دیکھا جو چشم مست کو اُسکی چمن کے بیچ
نرگس کی آنکھ جھک گئی مارے خمار کے

روزن نہ کچھ بجز خدا اور کا اپنے بند
دیوار سے ہیں پھوڑونگا سر اپنا مار کے

باشندے ہم سے شہر کے کس طرح سے ملیں
اُجڑے ہوئے ہیں ہائے ہم اپنے دیار کے

اے گل سُنا نہ تونے مرا حال اور میں
سُنتا ہوں تیرے واسطے طعنے ہزار کے

قطعہ

مدت کے بعد ہمکو جو لایا فلک وہاں
طفلی سے رہنے والے تھے ہم جس دیار کے

دیکھا عجب ہے رنگ کہ بس ہوش اُڑ گئے
کیونکر بھلا نہ روئیے پھر ڈاڑیں مار کے

جو گل زمیں تھی آہ وہ رشکِ خرابہ ہے
ہیں جائے لالہ زار پڑی ڈھیر خاک کے

دیکھے جدھر نگاہ وہ ہُو کا مقام ہے
خالی مکاں پڑے ہیں ہر اک دوستدار کے

وہ یار جن سے رہتی تھیں دن رات صحبتیں
ملتے نہیں نشاں کہیں اُنکے مزار کے

منع فغاں نکر تو ترقیؔ کو ناصحا
واقف نہیں ہے غم سے تو اُس سوگوار کے

ترکی

ترکی - ترک علی شاہ۔ اصل وطن لاہور ہے مگر اب عرصہ سے بہ سلسلہ روزگار حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں دربار دکن کے فارسی شعرا کے زمرہ میں ملازم ہیں۔ اور کہتے بھی نہایت صاف اور عمدہ ہیں۔ اب ۵۰ برس کے قریب عمر ہے۔ کلام میں جتنی شوخی وطرّاری ہے اُسی قدر جدت بھی موجود ہے۔ مزاج میں ظرافت ہے۔ مہاراجہ مدارالمہام کے خاص مصاحبوں میں ہیں۔ چند سال سے کبھی کبھی اُردو بھی کہہ لیتے ہیں۔ چنانچہ اشعار ذیل آپ ہی کے طبعزاد ہیں۔

وہ بوئے مُشک ہے اے شوخ تیرے بالونمیں
کہ دھوم جسکی ہے تاتار کے غزالون میں

مرا کمال تو دیکھو کہ ہوکے لاہوری
غزل میں بیٹھ کے پڑھتا ہوں دہلی والونمیں

یہ کی تلاش کہ گم ہوگیا میں خود لیکن
نہ مسجدونمیں ملا اور نہ وہ شوالوں میں

تسخیر

تسخیر - مرزا محمد سلیماں قدر بہادر تسخیر نبیرہ مرزا آسماں قدر ممنو گورگانی مقیم لکھنو شاگرد

میر ہادی تخلص غدر کے بعد والد بزرگوار کے ہمراہ بنارس چلے گئے۔ وہاں مرزا صابر کی تحریک سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ اُن کی وفات کے بعد ۱۳۰۵ھ میں پھر لکھنؤ میں رہائش اختیار کی اور مشاعرے کی بنا ڈالی۔ اُن کے بیٹے مرزا حیدر رضا قدر راہ نے اس کا دیوان چھپوا دیا ہے۔ جسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

کرونگا حشر میں نالش تمہاری پیش خدا
بڑا دھوکا دیا او تیغ قاتل

ہمیں دکھا دے اسیری میں کچھ چمن کی بہار
بیگانہ وار سب ہے تسخیر اس سے لئے

کچھ تن بدن کا ہوش نہیں ہے تمہیں ذرا
شکوۂ جور جو کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں

مژدہ اے موت کہ خوں ہوتے ہیں وہ ترا جاں بلب
آپ کو قدر نہیں دل کی ہمارے تو نہو

ڈر نہیں یار کو گر پاک نظر سے دیکھا
بتوں میں ہے نہاں قدرت خدا کی

کنج قفس میں منت و زاری ہزار کی
اثر نالۂ جانکاہ جو دلبر ہو جائے

زہر کھاتے ہیں جو عشق لب جاں بخش میں ہم
بولے دیکھا جو مجمع عشاق

اُسی کچہری میں اب ہوگا فیصلہ دل کا
سے گلے مل کر مرا کاٹا گلو آج بڑ

قفس میں پھول کی رکھدے پیالیاں صیاد
باخلق آشنا نشو و آشنائے دل

تسخیر تجویزی ہے یہ کس کے خیال میں
سینے کچھ مانگا تھا کیوں تم نے دیا دل مجکو

لیچلا ہے اُسی کوچے میں مرا دل مجکو
اسکو وہ لے گا جو رکھتا ہے خریدار نگاہ

نہ گنہ گار ہیں کچھ ہم نہ گنہگار نگاہ
طلسم حسن سے ہے یہ برج حنا کی

صیاد نے پر ایک نہ باقی ہزار کی
بیقراری میں وہ بُت میرے برابر ہو جائے

کیا مزہ ہے اثر آب بقا ہوتا ہے
میری صورت کوئی تماشا ہے

رباعی

فرزند و عزیز میں نہ الفت پائی
احباب و رفیق میں نہ شفقت پائی

تسخیر کے مرقد پہ یہ کندہ کرنا
جو کچھ پائی وہ زر سے راحت پائی

تسخیر

تسخیر۔ جناب داروغہ سید واجد علی صاحب تسخیر رئیس شہر لکھنو ارشد تلامذہ حضرت اسیر مدظلہ۔ آپ حضرت واجد علی شاہ کی بیگم سلطان محل کے داروغہ تھے اور محلات شاہی میں اور بھی خدمتیں ان سے متعلق تھیں۔ ایام غدر میں جب مرزا برجیس قدر کا دور دورہ ہوا تب آپ حضرت محل کے صلاحکاروں میں رہے مگر جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس بدنظمی کا انجام اچھا نہیں تو از راہ دوراندیشی آپ سرکار انگلشیہ کے ہواخواہ ہو گئے اور خدمات شایستہ اُس سرکار کی ادا کیں۔ چنانچہ بجلدوے خیر خواہی بعد فرو ہنگامہ چند مواضع بطور انعام پائے اور زمرۂ تعلقہ داران میں محسوب کئے گئے۔ تمام عمر باعزاز و آبرو بسر کی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے نظیر حسن تعلقہ دار ہوئے۔ چھوٹے امیر حسن فروغ حیدرآباد میں وکالت کرتے ہیں شعر و سخن کا بھی ذوق تھا اور مذاق سلیم سے کافی بہرہ حاصل تھا۔ جیساکہ مندرجہ ذیل اشعار کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا۔

نہ آیا فاتحہ پڑھنے وہ مہر و مہرباں ہو کر
زمین قبر کیوں پیسے نہ ہمکو آسماں ہو کر

نکل سکتا ہے وحشی کس طرح زلفوں کے پھندوں سے
پڑا ہے پاؤں میں اُنکا تصور بیڑیاں ہو کر

لحد میں یاد جب آئی کشاکش زلف پیچاں کی
کفن کے بند جتنے تھے وہ لپٹے رسیاں ہو کر

نہ کھینچ اب تیغ ابرو دل نشانہ ہو چکا ظالم
در آئی ہر مژہ کی نوک سینہ میں سناں ہو کر

تلاش ناقۂ لیلیٰ میں دی مجنوں نے جاں اپنی
اُسی کی خاک پھرتی ہے غبار کارواں ہو کر

ازل سے دل مرا مشتاق ہے ابرو کی پیکاں کا
نہ مارا تمنے اک تیر نگہ ابرو کماں ہو کر

جفا تیری وفا میری الم نشرح ہے اب گھر گھر
یہی قصہ بیاں ہوتا ہے ہر جا داستاں ہو کر

تمھیں پر ہمنے گل کھائے تمھیں نے قتل کر ڈالا
اُجاڑا تمنے جو گلزار اپنا باغباں ہو کر

نہ حرف تلخ لب پر لائیے شیریں زباں ہو کر
سخن میں رنگ و بو دکھلایئے غنچہ دہاں ہو کر

اسے وزرات پامالی اُسے چکر میں بچا لی
نہ یاں راحت زمیں ہو کر نہ آرام آسماں ہو کر

عدم کے جانیوالے منزل آخر پہ جا پہنچے
میں تنہا رہ گیا پیچھے غبار کارواں ہو کر

نزاکت کس قدر ہے پھول کے گجرے جو پہنیں ہیں — جھکے جاتے ہیں دونوں ہاتھ گل کی ڈالیاں ہو کر
دِلا گر چاہتا ہے دلربا تنہا ملے تجھ کو — پٹا دیں راستہ سیدھا تو جا واں امکاں ہو کر
تلوّن ہے طبیعت میں تمھاری کسقدر توبہ — نہیں پھر ہو گئی لو وصل کے وعدہ پہ ہاں ہو کر
نجف کی راہ لو تسخیر پھرتے ہو کہاں در در — لگاؤ بستر اموالی کے در پہ پاسباں ہو کر

تسکین

تسکین - پنڈت گنگا داس - زیادہ حال اِن کا معلوم نہیں - مسٹر فیلن نے اپنے تذکرے میں اِن کا حال اِس طرح لکھا ہے "ایک جوان تھا نیک عقیدہ کشادہ رو مہذب و خوش خو - گاہے گاہے رخشِ ہمت کو میدان ریختہ گوئی میں پویاں دوڑاتا تھا" یہ اُن کا کلام ہے -

ناصح یہ نصیحت اب تم کرتے ہو کیا بیٹھے — جو ہووے سو ہو بہتر دل اُس سے لگا بیٹھے
عقل و خرد و طاقت اور صبر و شکیبائی — جب سامنے وہ آیا ہم سب یہ لٹا بیٹھے
کیا غم ہے ہمیں تسکیں آفات زمانہ سے — اب ہم شہ مرداں کے داماں تلے آ بیٹھے

تسکین

تسکین - میر سعادت علی دہلوی خلف میر علی حامد برادر زادہ و شاگرد ملک الشعرا میر قمر الدین منّت - عنفوانِ شباب میں دہلی چھوڑ کر لکھنو جا رہے تھے با وضع اور خوش فکر شخص تھے ۱۸۴۸ء میں ۵۰ برس کا سن تھا یہ آپ کا کلام ہے -

سر میں مرے بھری ہے ازل سے ہوائے عشق — مجھ سا جہاں میں کوئی ہے کم مبتلائے عشق
یکلخت عقل و صبر سے بیگانہ ہو گئے — یہ جانتے تو ہوتے نہ ہم آشنائے عشق
نالاں ہے ابتدا ہی میں بلبل کو کیا خبر — پروانہ جانتا ہے جو ہے انتہائے عشق
شیریں سا گلعذار تو کوئی ہووے آج بھی — بہتیرے کوہکن سے ہیں زور آزمائے عشق
تسکیں جو قیس عشق میں مجنون ہو گیا — عیب اُسکا کچھ نہیں کہ یہ ہے مقتضائے عشق
کرتا نہیں ہے جنس دو عالم پسند دل — خواہاں متاع درد کا ہے دردمند دل
بیرحم پھر نہ لونگا کبھی دوستی کا نام — جانبر ہوا جو آپ کے اٹھا کر گزند دل

آشفتگی کا اپنی سبب تجھ سے کیا کہوں — مدت ہوئی کہ زلف میں تیری ہے بند دل
بکتا ہے ایک نگاہ پہ لیجے مفت ہے — تسکین کا اگر آپ کو آیا پسند دل

ہر دم کرے ہے یہ دل کارِ سناں بغل میں — ہے وہ شکل مطابق دشمن کہاں بغل میں

بسکہ ہم دل میں تپ عشقِ تباں رکھتے ہیں — آتش اک سینہ میں جوں سنگ نہاں رکھتے ہیں
نوبتِ ضعف یہ پہونچی کہ ہم اب اے ہمدم — طاقتِ ضبط نہ یارائے فغاں رکھتے ہیں
خشک لب دیدۂ تر حال پریشاں رخ زرد — عاشقی کے بھی عشاق نشاں رکھتے ہیں
ساغرِ مے سے ہمیں پیر سمجھ کر ساقی — ہاتھ مت کھینچ کہ ہم طبع جواں رکھتے ہیں

اللہ رے نزاکت اُس نازنیں صنم کی — پڑتے ہیں اک نگاہ سے سو آبلے بدن میں
آوے جو بعد مردن خط کا جواب اُن سے — جانے جواب رکھیو نامہ مرے کفن میں
کوچے کا گلرخوں کے عالم اگر کہوں میں — تسکیں لگے نہ دم بھر بلبل کا جی چمن میں

کون کہتا ہے یہاں آپ گذارا نہ کریں — مدعا یہ ہے کہ آتے ہی سدھارا نہ کریں
غم پریشانیِ عاشق کا کرے اون کی بلا — ہو یہ کیونکر کہ وہ زلف اپنی سنوارا نہ کریں
ہووے کیا آپ سے تصویر صنم ہم آغوش — کوہکن تو نے کیا ہم تو گوارا نہ کریں
دلِ بیتاب کو میرے نہ کبھی ہو تسکین — کر کے تسکیں جو مجھے آپ پکارا نہ کریں

کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں — خط بھی لکھا جو ہمکو تو خط غبار میں

حالِ دل کہتے تو ہے وہ صنم رکتا ہے — اور چپ رہئے تو مشکل ہے کہ دم رکتا ہے
کس کا کوچہ ہے یہ یارب نہیں معلوم ہمیں — خود بخود یاں کے پہنچتے ہی قدم رکتا ہے

تسکین

تسکین - میاں تسکین نام - نواب آصف الدولہ کی سرکار میں خواجہ سرا تھے - ذہن رسا طبع نکتہ سنج پائی تھی - الفاظ رنگیں اور خیالات تازہ کی تلاش میں سرگرم رہتے ہیں - زبان اگرچہ پرانی ہے تاہم کلام پرلطف اور شیریں ہے - ایک پرانے تذکرے میں کچھ ان کے اشعار نظر سے گذرے انکا انتخاب درج ذیل ہے -

انداز فغاں کا مری بلبل نے اوڑایا
بس شور نکر اس قدر اب اے دلِ ناداں
سمجھا نگیا ہمسے کچھ اُسکا غضب و لطف
کیا گذری جو اس طرح سے ہے سوچ میں یار
تھی اتنی دل آویز کب آشفتگی اُسمیں
دیکھی جو سحر اشک فشانی مری تسکیں
کیا[۱] خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں
یوں مجھ میں اُسمیں بگڑی سدا اور سدا بنی

نقشہ کو نزاکت کے تری گل نے اُڑایا
اک خلق کا تو سفر تری غل نے اُڑایا
اک عمر ہمیں اُسکے تغافل نے اُڑایا
ہوش اپنا تو قاصد کے تامل نے اُڑایا
پہ طور اسی زلف کا سنبل نے اُڑایا
شبنم کے تئیں چٹکیوں میں گل نے اُڑایا
خط بھی لکھا جو اُسنے تو خطِ غبار میں
کچھ اب کے ایسی بگڑی کہ بس جی پہ آ بنی

تسکین

تسکین دہلوی۔ شاعر نکتہ سنج و متین میر حسین صاحب تسکین شاہجہان آبادی خلف میر حسن عرف میرن صاحب۔ انکا نسبی سلسلہ فرخ سیر بادشاہ کے وزیر حسین علی کے قاتل میر حیدر سے ملتا ہے۔ ان کی ولادت ۱۲۱۸ھ میں دہلی میں ہوئی۔ فارسی کی تکمیل مولوی امام بخش صہبائی سے کی۔ طبیعت نہایت ذہین اور موزوں واقع ہوئی تھی۔ شعر گوئی اور سخن سنجی کا مذاق نہایت صحیح و شستہ تھا۔ عنفوان شباب میں جو کچھ کہا اُسمیں شاہ نصیر مرحوم سے مشورہ کیا۔ اُن کی وفات کے بعد حکیم مومن خانصاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حکیم صاحب کی توجہ سے اس فن میں درجۂ کمال حاصل کرلیا۔ مولوی محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ شاہ نصیر مرحوم کا دیوان انہوں نے مرتب کیا تھا مگر اُسی زمانے کے ایک قلمی نسخہ سے یہ معلوم ہوا کہ منشی مہاراج سنگھ (جو شاہ نصیر مرحوم کے تلامذہ میں سے تھے) اِس خدمت کو انجام دیا تھا۔ تلاش معاش کی فکر میں حضرت تسکین لکھنؤ بھی گئے مگر ناکام واپس آئے۔ کئی برس میرٹھ میں قیام کے بعد رامپور پہونچے اور وہاں کسی معقول خدمت پر مقرر ہو گئے۔ بہر حال تسکین اپنے وقت

۱؎ شیفتہ نے اسی شعر کو سعادت علی تسکین کے نام سے لکھا ہے ۱۲

کے شعرائے مشاہیر سے تھے۔ طرز سخن کمال دلکش خصوصاً عاشقانہ کلام نہایت پرلطف اور با مزہ ہے۔ زبان صاف اور شیریں۔ اور بندش نہایت چست ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ سے اکثر صحبت رہتی تھی غرض حضرت مومن کے شاگردوں میں تسکین رکن رکین تھے اور استاد بھی انہیں نہایت عزیز رکھتے تھے۔ بلکہ ان کے صاحبزادہ میر عبدالرحمن کو اپنی فرزندی میں لے لیا تھا مومن کا دیوان میر عبدالرحمن ہی کا مرتب کیا ہوا ہے۔ غدر کے بعد میر عبدالرحمن کی سخن فہمی کی بڑی دھوم تھی۔

جناب تسکین کا دیوان اب نہیں ملتا۔ آپ نے استاد کی شوخ بیانی۔ طرز ادائے مطلب اور معاملہ بندی کے ساتھ سادگی اور صفائی روزمرہ کا خوب سلیقہ بہم پہنچایا تھا۔ پچاس برس کی عمر پاکر ١٢٦٨ھ ١٧ شوال کو رامپور میں قضا کی اور وہیں نواب احمد علی خاں بہادر کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ سالک نے تاریخ کہی ؎

کہا دل نے کہ داخل ہو گئے سب — ارم میں عارف و تسکین و مومن

آپ کے صاحبزادے میر عبدالرحمن آہی بھی بڑے نازک خیال اور طباع شاعر تھے۔ آپ کے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

تھا میری طرح غیر کو بھی دعویٰ الفت
ناصح تو اُسے دینے کو الزام نہ آیا

بے بال و پری کھوتی ہے توقیر اسیری
صیاد کبھی لے کے یہاں دام نہ آیا

تسکیں کروں کیا دل مضطر کا علاج اب
کمبخت کو مر کر بھی تو آرام نہ آیا

ہر روز وہ ڈھونڈے ہے کوئی تازہ خریدار
صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا

مر جائیں گے پر دل نہ لگائینگے کسی سے
جی اور کسی ڈھب سے بہل جائے تو اچھا

کہتے ہیں رنجش ظاہر میں مزا آتا ہے
یوں نہیں تم مجھے ذرا ہو کے خفا دکھلا تا

تمھیں بھی کھولنی زلفیں پڑیں گی
دل گم گشتہ اپنا گر نہ پایا ہُنہ ہُنہ

ہزاروں مر گئے دیکھا جو عالم سوگ میں اُسکا
لباس آیا تھا وہ کافر پہن کر میرے ماتم کا

یہاں آنے سے کس واسطے جلتا ہی ہمارے
اُس در سے نجاؤ نگا کبھی لاکھ کہو تم

دیکھیں کیا میری طرف یاد ہیں اُنکو اپنی
بات کرنی ہیں جو ہر دم ہے حجاب آئینہ

جان دیتا ہے ہر اک بات پہ تسکیں کرباد
رہنے والونکو ترے کوچے کے یہ کیا ہوگیا

زندگی ہو ویگی کس طور سے یارب اپنی
آج جو عرش پہ ہے اپنا دماغ اے ظالم

اتنی سرخی شفق چرخ پہ کس دن تھی مگر
حق کے کہنے سے نہیں ٹلتی ہے سولی منصور

عاشق تو نہیں ہے کہیں دربان تمہارا
دشمن ہی سہی تابع فرمان تمہارا

چشمکیں غیر سے کرنی مجھے دکھلا دکھلا
دیکھتا کیا ہے مجھے بھی تو خود آرا دکھلا

تمنے کیا اُسکو دیا اپنا سراپا دکھلا
میرے آتے ہی یہاں ہنگامہ برپا ہوگیا

دم میں سو بار اگر یوں وہ خفا ہووے گا
کوئی دشمن تری نظروں سے گرا ہوویگا

عاشق زار کا کچھ رنگ اُڑا ہووے گا
تو نے دعوی کہیں الفت کا کیا ہووے گا

بھول جائیں گے وہ اغیار کو ہیں
وحشت اب لاش کو لے بھاگے گی
کوچۂ یار میں بیٹھے تسکین
سہل سمجھے تھے اسکا آجانا

مر گئے پر بھی اگر یاد و آیا تو
تنگی گور سے گھبرا و آیا تو
پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا
تمنے تسکین دل کو کیا جانا

کچھ نمک کچھ مشک کچھ الماس ہم آچارہ گر
ساکنان فلک پہ دیکھئے کیسی بنے

بیٹھے تسکیں سے تھے روٹھ کر۔ وہ شوخ
جسوقت نظر پڑتی ہے اُس شوخ پہ تسکین

اِس سے بہتر تھا جو دوزخ میں ٹھکانا ہوتا
خوبصورت نہ کوئی تو نہ بدنامی

اسنے مارا خلق کو اُسنے ڈبویا اک جہاں

پھر خدا چاہے بھرے دو دن میں منہ ناسور کا
نالۂ سوزاں کا ہے اب کے ارادہ دور کا

دے کے دو جھڑکیاں اُٹھا لایا
کیا کہئے کہ جی میں ہے کیا کیا نہیں آتا

بزم دشمن میں ترے ساتھ نہ جانا ہوتا
سچ تو یہ ہے کہ بُرا ہو تو ہے اچھا ہونا

تیرا ہنسنا اور ہمارا رونا برابر ہوگیا

شورشیں یہ پا کیا اُس کے خرامِ ناز نے
گیا مجنوں نکل صحرا کو یہ دیوانگی دیکھو

غیروں کو اشارا ہے مرے قتل پہ ناحق
تمکو بھی تو غیروں سے یہ اخلاص نہیں ہے

چُپ لگی مجکو تو چرچا بھی پھر وہاں ہو گا
دیکھیو خانہ خرابی غیر وہاں قابض ہوا

ہمکو اپنی خبر نہیں ہمدم
اُس گلی میں مجکو جانے سے کرتا ہے منع ہائے

اُس گلی میں اژدحامِ اغیار کا یاد آگیا
دیکھنا شوخی یہ کہتے ہیں مرے دشمن ہیں وہ

گر مرے کے چھٹے دل کی طپش سے تو عزیزو
اے چشمِ سرمگیں تری گردش نے کیا کیا

رو کے ہے مجکو ڈبو کر چشمِ تر کو کیا کہوں
ایسی ہے غیر کی خاطر کہ مرے حال کو سُن

زلفِ پُرپیچ کو کھولا ہے یہ کس نے یارب
کبھی کہتا ہوں وصل مشکل ہے

یاں انتظار میں ہے کٹی مجکو ساری رات
دیکھوں تو لے ہے جان ملک الموت کسطرح

تسکیں نے لے کے نام ترا وقتِ مرگ آہ
عیّاری دیکھنا جو گلے ملنے کو کہو

اشکِ سُرخ آنکھوں میں آکے رو دیتے دیکھنا

داورِ محشر کا سارا کھیل ابتر ہو گیا
قضائی کوچۂ لیلیٰ کو اُسنے تنگ ٹھہرایا

یہ جنبشِ ابرو ہے تو سر کا ہے کو ہو گا
چور لیا کہ اِس دست دگریبان میں دیکھا

رازِ پنہانہ خموشی سے بھی پنہاں ہو گا
جسکے گھر کو ہم یہ سمجھے تھے کہ اپنا ہو چکا

دیکھو تو آکے مر گئے شاید
ناصح کو کوئی جا کے کرے پاسبانِ غیر

دلمیں جوشِ حسرت و یاس و تمنا دیکھ کر
کیا ہنسی آئی مجھے تسکیں کو روتا دیکھکر

تا حشر نہ نکلیں گے کبھی گور سے باہر
راحت پذیر تھے ستمِ آسماں سے ہم

وہ ہی آتا تھا پسند اپنی نظر کو کیا کہوں
دل میں روتے ہیں بظاہر یہ ہنسے دیتے ہیں

کہ مرے پاؤنکی زنجیر کیے دیتے ہیں
کبھی کہتا ہوں کچھ محال نہیں

واں وعدہ کیا کیا تھا اُنھیں یاد بھی نہیں
تم وقتِ مرگ پاس سے اٹھنا ذرا نہیں

کیا جانے کیا کہا تھا کسینے سُنا نہیں
کہتا ہے میں تو تم سے ہوا کچھ خفا نہیں

لعل کی اب تک سُنی تھی کیسے معدن آب میں

باتوں ہی سے کے مشفق ہیں مرے حضرت ناصح
دو دن تو رہیں پاس مرے رنج و محن میں

چھیڑوں ہزار طرح سے تمکو خفا کروں
قابو میں میرے دل ہو تو کیا جانے کیا کروں

یہ تو سچ ہے کہ جو تم چاہو گے کر گزرو گے
پر یہ ممکن نہیں ہم پر کبھی بیداد نہو

مجھ بیگنہ کے قتل پہ گر ہے خوشی غیر
ظالم تو میرے واسطے اندوہگیں نہو

آرام سے وہ پہلو میں بیٹھے کوئی گھڑی
تسکیں جو اضطراب تجھے اسقدر نہو

سینے رکھا جو پاؤں پر سر کو
بوسے وہ ناز سے کہ بس سر کو

وہم آتا ہے مٹا کر خطِ پیشانی ہائے
اسمیں لکھا نہو اُس در کی جبیں سائی کو

آتے ہی اُنکے جان گئی واہ رے نصیب
نکلے جو آرزو تو دم واپسیں کے ساتھ

سمجھے تھے جنسے گمان دوستی کے
دشمن وہ ہوئے ہمارے جی کے

دل دینے کی قتل ہی سزا ہو
قائل ہیں تمہاری منصفی کے

کیا تجھسا دکھا دیا ہے بدخو
کیوں ٹکڑے کئے ہیں آرسی کے

وہ اپنے وعدہ پہ محشر میں جلوہ فرما ہیں
نہیں ہے ضعف سے انبوہ میں گذار مجھے

شبِ وصال میں سُننا پڑا فسانۂ غیر
سمجھتے کاش وہ اپنا نہ رازدار مجھے

ہزار طرح سے کرنی پڑی تسلّی دل
کسی کے جانے سے گو خود نہیں قرار مجھے

فریب دیکھے ہیں آغازِ عشق میں تسکیں
کہ سوجھتا نہیں اپنا مآلِ کار مجھے

مرے قصور سے دیدار میں ہوئی تاخیر
نہ دیکھنا تھا تماشائے روزگار مجھے

جان ٹھیری وہ اُس ابروئے خمدار کے آگے
سچ ہے نہیں تھمتا کوئی تلوار کے آگے

میں تیرے لئے ناصح مشفق سے لڑوں اُف
تو کہوے بُرا یوں مجھے اغیار کے آگے

تیغِ نگاہِ یار اُسے چلنے لگی تھی پر
برسوں گذر گئے ہیں مجھے آزار کھینچتے

اُس چشم پہ مرتا ہوں پہ وسواس ہے کیونکر
میں ذکر کروں نرگسِ بیمار کے آگے

ناز و ادا و غمزہ نے یوں دل لیا مرا
لیجائیں جیسے مست کو ہوشیار کھینچتے

یہ کہہ کے شب ہجر میں کرتا ہوں تسلی
دیکھتے ہی شوق نے ایسا کیا بے اختیار
وہ مسیحا لب اگر آئے تو جی اٹھوں ابھی
چین سے بیٹھے رہے محفل میں تسکین رات بھر
کرسکے دفن نہ اس کوئیں جو احباب مجھے
ہجر میں پاس نہ ہے زہر نہ خنجر افسوس
قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی
نام تسکین اور یہ مضمون تپش نازیبا
اب یہ حالت ہے کہ اُٹھا نا بے درد
بنا تسکین نہ وہ بُت دوست اپنا
بیتابیوں کی اور ہوس ہو تو آن سکے
اے دل یہ تیرا خاک میں ملنا ہے بے اثر
کسکو جی جانے سے ناصح تو ڈرا جاتا ہے
دل کے لیتے ہی چلی جان یہ جلدی کہ نہ پوچھ
عشق اور حسن میں ہے ربط ستم مجھ پر ہے

جو رنج و مصیبت ہے سو انسان کیلئے ہے
حال دل سے کہنے لگے ہم یار کی تصویر سے
ہاتھ اُٹھایا چارہ سازوں نے تنگ کیوں تدبیر سے
اُسنے پہچانا نہ ہمکو رنگ کی تغییر سے
خاک میں دل کی کدورت نے دیا داب مجھے
نہ دیے موت کے بھی چرخ نے اسباب مجھے
بات تو کرنے دے اس سے دل بیتاب مجھے
تھا تخلص جو سزاوار تو بیتاب مجھے
میرے بچنے کی دعا مانگے ہے
بگاڑی کس لیے سارے جہاں سے
سیماب ہے کہو دل مضطر میں گھر کرے
وہ کر جو اسکی طبع مکدر میں گھر کرے
یہی جاتا ہے محبت میں تو کیا جاتا ہے
صبر بھی چند قدم پیچھے رہا جاتا ہے
جوں جوں میں اسکو چھپاؤں وہ نہاں ہوتا ہے

تسکین

تسکین۔ مرزا مظفر علی بیگ تسکین دہلوی۔ ایک تذکرے میں آپ کو مومن خاں کا شاگرد لکھا ہے مگر راقم کے خیال میں ان کے نام میں غلط فہمی ہوئی ہے یہ اور میر حسین مذکورہ سابق دراصل ایک ہی ہیں۔ بہر حال یہ انکا کلام ہے ۔

سر پر چڑھائے یا کہ رکھے ٹھوکر مار کے
افسوس پر نکلتے ہی کنج قفس ملا
ہجر و شب وصال تو گریاں بروز ہجر

پھندے میں بال باندھے ہے جو زلف یار کے
دیکھے نہ دن خزاں کے نہ ہمنے بہار کے
یکساں ہیں دن خزاں کے ہمیں اور بہار کے

اتنا تو مانیو مرا با دِ صبا کہا
خاک کے اوڑا ئیو نہ ہمارے غبار کے

بربادیاں نہ اپنی پس مرگ بھی گئیں
بن بن بگولے پھرتے ہیں میرے غبار کے

تسلی - رائے ٹیکا رام تسلی خلف بخشی گوپال رائے برادر خورد رائے بھولا ناتھ دیوان کچہری بخشی گری نواب شجاع الدولہ صوبہ اودھ پرگنہ کریل ضلع اٹاوہ وطن تھا مگر یہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ ریختہ میں مصحفی اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے امیرانہ بسر کرتے تھے۔ ۱۲۴۳ھ میں حیات تھے۔ نہایت مہذب خلیق قدردان اہل ہنر و کمال اور شعر و سخن کے دلدادہ تھے۔ کتاب سے عشق تھا۔ چنانچہ ہزارہا روپیہ کے صرف سے نادر الوجود دیوان کے نسخے کتب خانے میں جمع کئے تھے۔

دیکھے سماں جو اس مژۂ اشکبار کا
ہوجائے شق جگر رگِ ابر بہار کا

آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں
کیا پوچھتے ہو حال شبِ انتظار کا

جسکے قدم تلے دلِ خوباں سلے گئے
مذکور کیا ہے اپنے دلِ خاکسار کا

فہمیدوالے کرتے ہیں دولت پہ کب گھمنڈ
کیا اعتماد زندگیٔ مستعار کا

بھاگتا ہے مرے تصور سے
کس قدر بدگمان ہے کافر

دن پھرے پھر مگر تسلی کے
اندنوں مہربان ہے کافر

کیا مونھ جو کوئی آوے ترے تیر کے مونھ پر
یہ ہم ہیں کہ مونھ رکھدیا شمشیر کے مونھ پر

جیسی تری تصویر لکھی کلکِ قضا نے
وہ حسن نہ دیکھا کسی تصویر کے مونھ پر

گردلیں ہے خفا تو پھر اس بات کو ناداں
کہہ بیٹھو مت عاشقِ دلگیر کے مونھ پر

جانے دے تسلی تو نکر فکر سخن کا
پھبتا ہے سخن مصحفی و میر کے مونھ پہ

کب مینے کہا پیارے تم مجھ سے جدا بیٹھو
پہلو سے مرے تکیہ پہلو کو لگا بیٹھو تو

آتے ہی کہا تمنے بس گھر کو میں جاؤنگا
آخر کو تو جاؤ گے یکدم تو بھلا بیٹھو تو

کیا جانے تمھیں کسنے یہ بات سکھائی ہے
جب پاس مرے آؤ تب مُنہ کو بنا بیٹھو تو

مانگا جو تسلّی نے اک بوسہ تو وہ پیارے	سو نفر سپہر کے ظالم نے یوں ہنسکے کہا چھوٹو
جو چاہے سلطنت اُسے ظلِّ ہما لے	مجھکو یہی ہوس ہے کہ وہ مجھسے آ لے
دیتے نہیں تسلّی کو ہوا دو کچھ تو تم	بوسہ ہر ایک شعر کا اُسکے صلہ لے
اب بھی اس نیمجان میں کچھ ہے	فائدہ امتحان میں کچھ ہے
کیوں ستاتا ہے دیکھ تو پیارے	اس دلِ ناتوان میں کچھ ہے

تسلّی - منشی میر شجاعت علی دہلوی شاگرد عزیز شاہ نصیر مرحوم مُناجاتیں خوب کہتے تھے جن میں سے بعض ابتک مجالس صوفیہ میں پڑھی جاتی اور سامعین کے دلوں کو گرماتی ہیں - ایک پرانی بیاض میں چند غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب پیش کیا جاتا ہے - مضامین عاشقانہ اور معاملہ بندی کیطرف زیادہ توجہ مبذول رہتی تھی - طرز شعر خوانی ایسا مرغوب و پسندیدہ تھا کہ اُسکے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ خود اپنا افسانہ بیان ہو رہا ہے - شاہ نصیر کے تلامذہ میں اپنے وقت کے جراَت سمجھے جاتے تھے آخر میں تعلقات دنیوی سے کنارہ کشی اختیار کر کے درگاہ قدم شریف میں سکونت اختیار کر لی تھی - اور وہیں غدر سے چند سال پیشتر انتقال کیا - کلام ملاحظہ ہو -

مجھسے بدنام عبث لوگ اُسے کرتے ہیں		ہم نشیں وہ تو مرے پاس نہ آیا نہ گیا
سینے ہاتھ اُنکے جو ابرو کو لگایا تو کہا		ہے سزا تیری کہ کاٹوں ترے شمشیر سے ہاتھ
اس طرح میلے پچھیلے تو یہ آفت ہو تم		گر تکلف کر دیکھ سپہر تو غضب لاؤ اُجی
کیسی ٹھوکر جڑی ہے حضرتِ دل		پاؤں پر اُسکے سر دھرو تو سہی
مار ڈالا یہ کہتے ہی تنے		کہ سحر ہو گئی اُٹھو تو سہی
جب کہا میں نے تجپہ مرتا ہوں	قطعہ	تم گلے سے مرے لگو تو سہی
بولے وہ کیا مرے ہیں آئے ہیں		خیر ہے کچھ پرے ہٹو تو سہی
غیر کے کل وہ لگ کے چھاتی سے	قطعہ	مجھسے کہنے لگے سنو تو سہی

اسلیے اُسکے ہم گلے سے لگے	کہ ذرا جی میں تم جلو تو سہی
میاں جو کچھ تری سج دھج میں رعنائی نکلتی ہے	کہاں عز راجوں میں وہ رعنائی نکلتی ہے
صبا مذکور جب کچھ لیچلی ہے تیری زلفوں کا	چمن سے پسِ سُنبل ہو کے رسوائی نکلتی ہے
خدا سے ڈر برابر کر نہ اوروں کے تسلّی کو	کہ تیرے عاشقوں میں انہیں یکتائی نکلتی ہے

تسلّی

تسلّی۔ ابوالخیر قطب الدین علی تسلّی تلمیذ جناب علوی۔ حیدرآباد دکن محلہ شیدی عنبر میں اقامت گزیں ہیں۔ ۲۲-۲۳ برس کے نوجوان روزگار پیشہ ہیں۔ طبیعت ذہین اور مذاق ستھرا ہے۔ یہ اُنکا کلام ہے۔

اچھی لڑائیاں ہیں یہ اچھا ملاپ ہے	ٹھہرا ہے عین صلح لڑانا نگاہ کا
بخت سیہ پہ لپٹے ہیں کیسے یہ جان و دل	پورا جواب ہے تری زلفِ سیاہ کا
عاشق کو کس سہارے سے اُمید زیست ہو	ملنا بھی اُس نے چھوڑ دیا گاہ گاہ کا
کس طرح دل چرانے کا پھر گماں ہو	چوری کا ہے ثبوت چرانا نگاہ کا
خدا سمجھے خدا سمجھے بتوں سے	میرا دل اور میرا ہی عدو ہو
بیوفائی تیری کیا خاک ہمیں یاد رہے	یاد آتا ہے جو تو خود کو مٹا دیتے ہیں
مسیحا ہو مری جاں یہ مسیحائی کی باتیں ہیں	نہ پوچھا بھول کر بھی حالت بیمار کیسی ہے
الٰہی دونوں آنکھوں سے نظر تو ایک آتا ہے	لڑائی پھر میانِ کافر و دیندار کیسی ہے
وہ غمخواری کے پردے میں ستاتے جاتے ہیں مجکو	پہر ہر دم پرسشِ حالِ دلِ بیمار کیسی ہے

تسلیم

تسلیم۔ منشی محمد کبیر خاں خلف امیر الدین نبیرہ بدو خاں سرغنہ افاغنہ رامپور۔ جوان وجیہ بردبار۔ متحمل مزاج اور خوش خلق تھے۔ نظم و نثر انشا پردازی میں طاق۔ شعر فہمی اور سخن سنجی میں اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے۔ علوم و فنون سے بقدر ضرورت ماہر تھے فکر رسا و فہم ذکا کی امداد سے کبھی کبھی شعر گوئی کی طرف بھی متوجہ ہوجاتے تھے۔ سو برس سے اوپر ہوئے جب قدرت اللہ شوق نے اپنا تذکرہ مرتب کیا تو آپ کا عالم

شباب تھا۔ کلام اُس تذکرہ سے منتخب کرکے درج کیا جاتا ہے۔ انتخاب سے ارباب فہم پر ظاہر ہو جائے گا کہ شعر بھی بُرا نہیں کہتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔

اگر مدعا ہے مرا خوں بہانا
تو پھر کس لیے ڈھونڈتے ہو بہانا

ہوا سب کا تسلیم دشمن نہ تو بھی
کبھو دوست جانے نجانا نجانا

ولے اے بختِ سیہ پھر یہ ستم کیا ہو گیا
وہ جو سوتا تھا بغل میں رات میری سو گیا

مصروف ہے از بس کہ تری وصفِ دہانکا
ہے فکرِ عدم کام دلِ ہیچمدان کا

وہاں آنے ادا کی یہاں ہم ہو گئے تمام
سچ ہے کہ مردمرتے ہیں تسلیم آن پر

رکھے ہے لبکہ وہ دلدار مجھ سے دلمیں غبار
بجا ہے نامہ گر اُسکو لکھوں بخطِ غبار

مہرِ سکوت لب پر مثلِ نگیں ہے میرے
اب قدرداں سخن کے تسلیم کم رہے ہیں

ہمیں کیا واعظ اندیشے سے محشر کے ڈراتا ہے
گلی میں اُسکی ہو رہتے ہیں ایسے شور و شر لاکھوں

غیروں کے تو گھر جا جا تم باتیں بناتے ہو
پھر یہاں جو آتے ہو کچھ اور بن آتے ہو

منظور اُٹھانا ہے میرا ہی مگر صاحب
غیروں کو جو تم ہر دم پاس اپنے بلاتے ہو

قطعہ

انصاف بھلا کیجے کس طرح بنے تسے
اسطور سے ہر اک پر غصے میں جو آتے ہو

گر بات کہی سیدھی تو ہوتے ہو ٹیڑھے تم
اور کاش کہے ٹیڑھا ہو تو سیدھی سُناتے ہو

بھلا یہ کس نبی کا معجزہ تھا منصفو دیکھو
کہ دروازہ پہ جسکے ہوں کھڑے پیغامبر لاکھوں

ہم نشیں مت تنگ کر مجھکو عبث
بات ہے کچھ اُس وہاں کی گو مگو

اب تو اپنی جان سے تسلیم ہم
دل اُٹھا بیٹھے ہیں ہونا ہو سو ہو

تاب و توان و صبرِ دلِ زار چل بسے
تھے اِس جہاں میں اپنے جو غمخوار چل بسے

لختِ جگر جو پلکوں پہ رہتے تھے ہر گھڑی
ان پلٹنوں نکلے ہائے وہ سالار چل بسے

وہ جو قصہ نہیں سُنا کرتے تھے ہم طوفانِ نوح
سو وہ اک پل میں دکھایا دیدۂ غمناک نے

پھر تو اُس آشنا کُش کی دلا باتوں پہ جاتا ہے
مجھے اِس سادگی پر تیری ناداں رحم آتا ہے

اسی منہ سے مسیحا اُسکا رو کش ہو گا منہ دیکھو | وہ اک ٹھوکر سے سو مردوں کو دم دم میں جلاتا ہے

آفت جاں کچھ نہ اک ابرو کی وہ شمشیر ہے | کج نگاہی بھی تو جیسے بازگشتی تیر ہے

ہاتھ سے ان سیم بدنوں کے وِلا سیماب وار | کشتہ ہو جانا ہی حق میں تیرے اب اکسیر ہے

کھڑا ہو بات تو سن لی مری ٹک او میاں بانکے | پڑا ایسے کہاں تک پاؤں کہ اِس تیرے درباں کے

کیا ہے دیکھنے کو دل نے اس محبوب کے روزن | نہ بیچو زخم کو سینے کے اے جراح تو ٹانکے

حال اپنا کیا کہوں ہمدم کہ اُسکے ہجر میں | خون دل پیتے رہے اور درد و غم کھاتے رہے

ملگیا تھا رات تو خلوت میں وہ تنہا پر آہ | کچھ تو شرمایا وہ اور کچھ ہم بھی شرماتے رہے

کچھ تو اس شوخ نے دلمیں لیا ہی جان مجھے | اسقدر جان کے ہوتا ہے جو انجان سے مجھے

اگر وہ وحشی رم خوردہ میرا رام ہو جاوے | تو پھر کیا اس دل بیتاب کو آرام ہو جاوے

جو وقت نزع ہی وہ تسلیم وہ خود کام آجاوے | تو اس ناکام کا پھر اک نگہ میں کام ہو جاوے

تسلیم۔ حاتم خاں قوم سے افغان اور رامپور رہیل کھنڈ کے رؤسا میں تھے علی بخش خاں کی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور خوش کلام سخن ور تھے قبل از غدر حیات تھے۔ یہ چند شعر ان کے ہیں۔

شباب گیسوئے مشکیں کے عشق میں گذرا | پھر اکیا میں خطا میں تمام شب بہکا

کچھ اِسکے حق میں بھلے ہونگے وہ لب میگوں | یہ بات کیا ہے کہ تسلیم بے سبب بہکا

پہلے اسے غنچہ و گل منہ تو ذرا بنوا لے | کیجیو پھر دہن یار سے نسبت پیدا

کہربا کاہے کو اس طرح سے تنکے چنتا | تیرے دیوانے کی کرتا جو نہ رنگت پیدا

تسلیم۔ مولانا ابوالبیان محمد سلیم الدین احمد نارنولی مصنف حدیقۃ المذہب جو مطبع یوسفی الور میں ۱۳۰۵ھ ہجری میں چھپی ہے۔ ایک بہت طباع اور ذہین شخص تھے۔ استعداد علمی عالمانہ تھی۔ مسدس حالی کے جواب میں ایک مسدس بھی لکھا ہے۔ ریاست ہائے الور اور جے پور میں تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ دریغا حسرت۔ سے ہے فاضل عصر ۱۳۰۵ھ ۱۸۸۸ع

یہ دونوں تاریخیں آپکی وفات کی ہیں۔ ۶۰ برس کی عمر میں بمقام نارنول انتقال کیا۔

مرا ایمان اے کافر تری نازک ادائی پر
دیکھا ہو جسنے وصل وہی جانے ہجر کو

کہ تقوے ہی کھو دیا تسلیم سے مرد مسلماں کا
اپنی تو ساری عمر کٹی انتظار میں

انھیں سرگراں محکوشا کی رکھا
برا ہو تمنائے دشوار کا

اجابت کو پہنچیں یہ دونوں دعائیں
بلائیں پہ امت پہ آئیں نہ آئیں

از مسدس

ہوئیں گرچہ اور ہو رہی ہیں خطائیں
نہ بدلیں نہ بدلیں گی شرعی بنائیں

قیامت کے ڈھب میں غضب کے فسوں ہیں
مگر اہل امت وہی جوں کے توں ہیں

گر ایسا نہ ہوتا ازل میں مقدر
تو ہرگز دعا یوں نکرتے پیمبر

از

کہ ڈوبے گی امت گناہوں میں اکثر
ہر اک بات کا اک محل ہے مقرر

اسی کے لئے عافیت کی دعا ہے
جسے کوئی بیمار یے جانگزا ہے

سو یہ حالت اب اہل اسلام کی ہے
نہ رغبت شریعت کے احکام کی ہے

مسلمانی ان میں فقط نام کی ہے
نکچھ فکر آغاز و انجام کی ہے

نہ شرم نبی ہے نہ خوف خدا ہے
غم نفس ہے اتباع ہوا ہے

تسلیم۔ سخنور ذکی فہیم منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی خلف منشی اقتشام الدین مدت مدید تک منشی نول کشور کے مطبع کے متوسل رہے۔ شیخ علی بخش بیمار کے شاگرد رشید تھے۔ آپ فن سخن میں مشاہیر سے تھے۔ تاریخ گوئی میں ایسا ملکہ رکھتے تھے کہ ان کی مثال کم نظر آتی ہے۔ چنانچہ انواع و اقسام کی صنائع و بدائع سے آپکی تاریخیں مملو ہوتی تھیں۔ ان کے شاگردوں میں راجہ کشن کمار وقار رئیس مہیپور بلاری بڑے خوش کلام ہیں۔

حضرت تسلیم کی عزیز زندگی کا بڑا حصہ اُنھیں کی سرکار میں گذرا۔ اُنکی تصنیف سے ذیل تاریخ مثنوی سعدین المخلص تسلیم۔ چھپکر شایع ہو چکی ہیں اور راقم کے کتب خانہ میں موجود ہیں مگر ابھی دیوان شایع نہیں ہوا ہے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ عاشقانہ اور تشبیہ دونو طرزیں ملی جلی ہیں سادگی اور صفائی بھی موجود ہے۔ اِن کے پختہ مشق اور مشاق سخنور ہونے میں کسکو کلام ہو سکتا ہے۔ فارسی بھی کہتے تھے۔ تاج المدائح فن صنائع و بدایع میں فارسی زبان میں مدح نواب کلب علیخاں بہادر والی رامپور میں اور مثنوی تاج الکلام مدح نواب شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال میں لکھی ہیں۔ ۶۰ سال ہوئے عالم ضعیفی میں انتقال کیا۔ ۲۱- رجب ۱۲۳۴ھ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۲ شوال ۱۳۰۹ھ ہجری روز دوشنبہ کو وفات پائی خورشید علی انکا تاریخی نام ہے۔ افسوس باوجود انتہا درجہ کی کوشش کے صرف اسی قدر کلام ملا ملاحظہ ہو۔

ہے مومیا شکستہ دلوں کو شکستِ زلف
ایک ایک حلقہ بنتا ہے حلقہ کمند کا

تسلیم کہئے یار سے اندھیر ہے یہ کیا
نکتہ داں ہوں کیوں کہوں اُسکا وہاں ملتا نہیں

آفتابِ اوجِ شہرت میں نہیں سکتا ہی حسن
گھل گیا اپنا بدن غم میں ترے اے شعلہ رو

پھیر دی جھاڑو یہ کیسی ہائے میرے باغ میں
میرا فریادی سوال اور اُنکا شاکی ہے جواب

رنگ جمنے کا نہیں تسلیم اس گلزار میں
مانندِ ابر اشک سے دامن بھگوئیں کیوں

یہ عشق نے کمر کے کیا ناتواں مجھے
مشکل کشائے جوش جنوں بند و لیست زلف

ہے فتح کا نشان سراسر شکستِ زلف
عشقت سپہر و کیسرہ مارا دستِ زلف

نقطۂ نونِ دہن سے کیا نشاں ملتا نہیں
جب تک اِسکو کوئی رسوائے جہاں ملتا نہیں

مثل شمع سوختہ اک استخواں ملتا نہیں
آنکھ پر رکھنے کو تنکا اے خزاں ملتا نہیں

بے دہن دلبر سا مجھ سا بے زباں ملتا نہیں
ہمصفیروں سے میرا طرزِ بیاں ملتا نہیں

اک بوند آبرو ہے اُسے ہم ڈبوئیں کیوں
ہے رشتۂ حیات بھی بارِ گراں مجھے

بوسے کا نام سنکے چباتا ہے اپنے ہونٹ
میرا یہ موہنہ کہ وصل کی دے وہ زباں مجھے

دیکھا جو اُس نے تختۂ نرگس میں آئینہ
لاکھ آنکھوں نہیں دکھائی دیں دو پتلیاں مجھے

یہ پھبکے عذر سے نہ کرو اُٹھو چلو بیٹھو
اپنی سلامتی ہے تو سو دوستاں سے مجھے

داغِ فراقِ یار کے سر پر مرے قدم
مدت کے بعد ایک ملا میہماں مجھے

میرے وضو کو لاؤ شرابِ دو آتشہ
کرنی ہے آج بیعتِ پیرِ مغاں مجھے

سچ ہے مثل بھلائیگا بدلہ بُرائی سے ہے
میں دوں دعائیں دیتے ہو تم گالیاں مجھے

کرتے ہیں یاد وہ کہ اجل نے کیا ہے یاد
آتی ہے آج ہچکیوں پر ہچکیاں مجھے

ہر معرکہ میں کھلتے ہیں جوہر کمال کے
مانندِ تیغ تیز ملی ہے زباں مجھے

حال یہ اُن کی انجمن میں ہے
ہر سخن معرضِ سخن میں ہے

درجہ نئی تازہ اوج وہ مری فریاد کی ہے
باغباں لوٹ ہے حالت بُری صیاد کی ہے

شانِ محبوبی کی دشمن ہے رکھائی آپکی
دیکھو دیکھو چھوٹی ہوتی ہے بڑائی آپکی

باج لے تارِ نظر سے اور رگِ جاں سے خراج
آپ کی پتلی کمر نازک کلائی آپ کی

ننگے ہو جاتے ہو بزمِ غیر میں پی کر شراب
خوب کھل کھیلی ہے ابتو پارسائی آپ کی

یاد رکھو میں بھی اپنے نام کا تسلیم ہوں
گڑگڑا کر ہو گی منت کش رکھائی آپکی

تسلیم - لالہ دیبی پرشاد تسلیم فرخ آبادی ابن لالہ مادھو رام جوہر شاگرد سید اسمعیل حسین منیر شکوہ آبادی - قوم کے ویش اور بڑے نامی گرامی ساہوکار تھے - غدر کے بعد تک حیات تھے - یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

بیمارِ محبت کو شفا ہو نہیں سکتی
اچھا یہ مرض ہے کہ دوا ہو نہیں سکتی

فریاد سے کیا فائدہ ہنگام مصیبت
کچھ آہ ضعیفی میں عصا ہو نہیں سکتی

تیرِ نگہ یار سے کیوں دل کو بچائے
تسلیم سے ہرگز یہ خطا ہو نہیں سکتی

تسلیم - سخنورِ ہمپایۂ قدسی و کلیم - منشی امیر اللہ صاحب تسلیم - خلف مولوی عبد الصمد مرحوم -

اصل وطن فیض آباد ہے۔ پہلے مدتوں لکھنؤ رہے اب عرصہ دراز سے متوسل سرکار رام پور ہیں مرزا اصغر علی خاں مرحوم نسیم دہلوی کے شاگرد رشید بلکہ فدائی ہیں۔ مدت ہوئی کہ آپ کا پہلا دیوان موسوم بہ نظم ارجمند چھپا تھا اس کے بعد دو دیوان اور مرتب کئے ہیں۔ مثنوی نالۂ تسلیم و دل و جان و صبح خنداں ان کی تصانیف سے مشہور ہو چکی ہیں اس وقت نوے برس کے قریب عمر ہے۔ متاخرین شعرا میں آپ ہی جیسے دو ایک دم باقی رہ گئے ہیں سن ولادت کے بارہ میں آپ ارقام فرماتے ہیں کہ جس سال غازی الدین حیدر مسند نشین ہوئے ہیں پیدا ہوا اس حساب سے ۱۸۲۰ء سال ولادت سمجھنا چاہئے۔ نواب کلب علیخاں بہادر کی زندگی تک بہ آسائش بسر کی اس وقت تمام مشاہیر شعرائے ہند کا مجمع رام پور میں تھا اور باہم ایک دوسرے کو خوش نوایان سخن کے ساتھ زمزمہ سنجی کا لطف آتا تھا۔ آپ کے مسلم الثبوت استاد اور موجودہ شعرا میں نہایت بلند پایہ اور عالی رتبہ ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

راقم تذکرہ پر کمال عنایت فرماتے ہیں۔ اپنا دوسرا دیوان بھی عنایت کیا تھا۔ آپ کے شاگرد رامپور اور لکھنؤ میں بکثرت موجود ہیں جنمیں فی زمانا فضل الحسن حسرت موہانی و عرش مشہور ہیں۔ کلام کے متعلق خود دیوان کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں "ہنوز نظر ثانی کی نوبت نہ آئی تھی اطمینان خاطر نے صورت نہ دکھائی تھی۔ دیوان مجزا تھا مجلد نہوا تھا کہ احباب دیکھنے کے واسطے لے جانے لگے۔ مزہ نظم کا اٹھانے لگے جب مجکو واپس دیے گئے تو میں نے صندوق میں رکھدیا۔ پھر مدت تک نہ دیکھا جب صاحبان طبع نے واسطے طبع کے طلب فرمایا تب خیال آیا کہ ایک نظر دیکھکر اطمینان دل حاصل کروں نقصانات کو نکالکر کامل کروں۔ دیکھا تو جا بجا سے ابتر پایا اکثر کمتر پایا نہ معلوم یاروں کی بے پروائی سے تلف ہوا یا اپنا دیوان ناقص کامل کرنے کی غرض سے کلام چرالیا۔

ناچار پھر باقی ماندہ کو ردیف وار لکھا از سر نو رطب و یابس پھر ایک جگہ جمع کیا" اس

[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]